التفسیر، مجلس تفسیر، کراچی جلد۹، شمارہ۱۸، اپریل تا ستمبر ۲۰۱۲ء

مولانا گوہر رحمان۔ حیات وخدمات

حافظ عقیل احمد

The Holy Prophet has said, "The scholars are the heirs of the prophets". Muhammad (PBUH) was the last prophet of Allah. That's why this Ummah will produce such scholars as to revive "Deen" and to lead the Ummah in order to empower them with knowledge, practice and spirituality. Therefore, in every era, the great scholars suppressed the disbelievers and made Din-e-Islam towering in scholarly domain. In this connection, Maulana Gohar Rahman was among those religious scholars who earned tremendous fame. Maulana Gohar Rahman occupied distinctive and unique place among religious scholars. He was strongly determined, embodiment of sincerity and a man of many qualities. He always demonstrated pure thinking, positive

attitude and righteous action. His matchless personality made him popular among all religious schools of thought. He was treated with great respect and dignity on account of his unbiased multidimensional personality. He was the illustrator the Holy Quraan, Sheikh-ul-Hadith, jurist, researcher, preacher and a great political leader. He spent all his life struggling for practical implementation of Shariat-e-Islam. He kept himself engaged in many useful and productive activities for the achievement of this gigantic purpose. Maulana used his powerful pen on many critical political, economical and social issues and presented their solutions in the light of Quraan and Sunnah. Maulana appears as torch bearer for those who are eager to do some social and reformative work for human welfare. The article under consideration presents an introduction to Maulana Gohar Rahman's brief biography, scholarly and political services.

مولانا گوہر رحمان کی شخصیت کے کئی پہلو ہیں آپ مفسر قرآن، شیخ الحدیث، فقیہہ، محقق، داعی اور ایک سیاسی رہنما تھے۔ آپ کی زندگی شریعت اسلامی کے عملی نفاذ کے لیے جدوجہد کرتے ہوئے گزری۔ اس عظیم مقصد کے حصول کے لیے مولانا نے علمی اور عملی دنیا میں کئی کارہائے نمایاں سرانجام دیئے۔

حضرت مولانا گوہر رحمٰن ۵ فروری ۱۹۳۶ء کو چھرای گاؤں درہ ختگی تحصیل و ضلع مانسہرہ ہزارہ میں پیدا ہوئے آپ کے والد کا نام مولوی شریف اللہ ہے جو اپنے گاؤں چھرای

سے دس میل دور کوپائی نامی گاؤں میں امامت کے فرائض سرانجام دیتے تھے مجموعی طور پر مولانا کا خاندان علمی اور مذہبی پہچان رکھتا تھا۔

مولانا محمد ہارون آپ کے خاندانی پس منظر کے بارے میں رقم طراز ہیں۔

> ''آپ کے جد امجد مولانا عبدالکریم بابا مشہور عالم دین اور مجاہد تھے جنہوں نے اخوان بابا کے ساتھ مل کر سکھوں کے خلاف جہاد کیا آپ کے والد محمد شریف اللہ ایک بڑے عالم دین تھے جو شیر گڑھ کے علاقے کوپائی تحصیل اوگی ضلع مانسہرہ میں امامت اور دینی خدمات سرانجام دیتے رہے آپ کا خاندان افغان قبیلہ کی اکوزئی شاخ سے تعلق رکھتا ہے آپ دو بھائی اور چار بہنیں ہیں سب سے بڑی بہن اور چھوٹی بہن وفات پا چکی ہیں جبکہ ایک بھائی مولانا محمد ہارون خطیب جامع مسجد تکندر آباد ضلع ایبٹ آباد اور دو بہنیں بقید حیات ہیں۔''(۱)

عبدالکریم بابا سلسلہ چشتیہ کے ایک مشہور پیر اخون بابا کے شاگرد تھے اخون بابا دعوت وتبلیغ کے سلسلے میں کابل سے ہجرت کر کے سوات آ گئے ان دنوں ضلع مانسہرہ اور اس کے اردگرد علاقوں میں سکھوں کی حکومت قائم تھی اخون بابا نے عبدالکریم کو مانسہرہ بھیجا تاکہ اس علاقے میں دعوت وتبلیغ کا کام کیا جائے عبدالکریم بابا نے ضلع مانسہرہ کے گاؤں چھراسی کو اپنی دعوت وتبلیغ کا مرکز بنایا کیونکہ یہاں مسلمان کثیر تعداد میں بستے تھے۔

مولانا گوہر رحمن کا خاندانی پس منظر علمی اور مذہبی پہچان کا حامل ہے ان خاندانی روایات کا حقیقی عکس آپ کی ذات میں نظر آتا ہے خصوصا آپ کی شخصیت میں نمایاں اثرات آپ کی والدہ کے ہیں جو اپنی نیکی اور تقویٰ میں بہت معروف تھیں آپ کو علوم دینیہ کی طرف مائل کرنے میں اصل کردار آپ کی والدہ کا ہے جن کی پاکیزہ سوچ اور مثبت طرز عمل کے نتیجے میں مولانا گوہر رحمن نے تعلیم اور تربیت کے مراحل طے کیے اور آخر کار ایک عالم دین کی حیثیت سے اپنا کردار معاشرہ میں پیش کیا۔

مولانا گوہر رحمن کی شادی ضلع صوابی کے ایک مذہبی گھرانے میں ہوئی مولانا کے ہاں

پانچ بیٹے اور ایک بیٹی کی پیدائش ہوئی آپ کے تین بیٹے بچپن ہی میں فوت ہو گئے تھے بقیہ دو بیٹوں میں ایک ڈاکٹر عطاء الرحمن جو متحدہ مجلس عمل کی طرف سے قومی اسمبلی کے رکن بھی رہے ہیں اور دوسرے بیٹے مولانا عبدالرحمن اور ایک بیٹی صالحہ بقید حیات ہیں۔

تعلیم وتدریس

مولانا گوہر رحمن جس علاقے میں پیدا ہوئے اس علاقے کے لوگ جدید علوم کے سخت مخالف تھے ان لوگوں کا خیال تھا کہ جدید تعلیمی اداروں میں پڑھنے والے طالبعلم مغرب کے غلام بن کر ابھرتے ہیں یہاں تک کہ یہ بات بھی مشہور تھی کہ ایسی تعلیم کے لوگ جنت میں نہیں جائیں گے بلکہ وہ جہنم میں جائیں گے اس علاقہ کی قبائلی رسوم ورواج کے حوالے سے خاص پہچان تھی اس قبائلی نظام میں دنیاوی تعلیم کو غیر ضروری سمجھا جاتا تھا اور یہاں کے اکابرین اس بات کی مخالفت کرتے تھے کہ ان کے قبیلے کا کوئی فرد ایسی تعلیم حاصل کرے اس وجہ سے بچپن میں مولانا گوہر رحمن کو کچھ نامساعد حالات کا سامنا بھی کرنا پڑا۔

جب آپ کی عمر پانچ سال کی ہوئی تو اس علاقے میں واقع اکلوتے پرائمری سکول میں داخلہ لیا جو پانچ کلومیٹر دور شیر گڑھ نامی گاؤں میں قائم کیا گیا تھا آپ روزانہ پانچ کلومیٹر کا پہاڑی راستہ اختیار کرتے ہوئے سکول جاتے اور واپسی پر اپنے والد محترم کا مختلف امور میں ہاتھ بٹاتے تھے اور ساتھ ساتھ اپنے والد سے فارسی کی ابتدائی کتابیں بھی پڑھتے تھے جب آپ چوتھی کلاس میں پہنچے تو آپ کے والد کا سایہ اٹھ گیا اور آپ اپنی ماں کے ساتھ چھراسی چلے گئے اور وہاں پر اپنے ماموں محمد عصمت اللہ کے ہاں رہنے لگے

مولانا محمد ہارون لکھتے ہیں کہ آپ کے والد کی دلی خواہش تھی کہ میرا بیٹا علم کے زیور سے آراستہ ہو جائے اور عالم دین بن جائے حالانکہ کئی افراد نے رائے دی کہ اسے کسی دنیاوی کام میں لگا دیا جائے (۲)

پرائمری تعلیم کے بعد آپ نے دنیاوی تعلیم کو الوداع کہہ دیا اور دینی تعلیم کے حصول کے لیے سرگرم ہو گئے اور جیلیاں تحصیل اوگی ضلع مانسہرہ کی مشہور دینی درسگاہ میں داخل ہوئے اور درجہ اول اور درجہ دوم کی کتب یہیں سے پڑھیں۔

درجہ اول اور درجہ دوم میں مولانا گوہر رحمٰن نے نمایاں پوزیشنیں حاصل کیں اور اس بات کا ثبوت دیا کہ وہ ایک محنتی اور باصلاحیت طالب علم ہیں اس کے بعد مولانا ضلع اٹک چلے گئے اور وہاں پر قائم مولانا عبدالحکیم کے مدرسہ میں داخلہ لیا اور درجہ سوم اور درجہ فنون کی تعلیم حاصل کی۔

تین سال تک مولانا اسی مدرسے میں تعلیم حاصل کرتے رہے اس کے بعد آپ ضلع چارسدہ میں چلے گئے اور وہاں پر سرڈھیری میں قائم مولانا عبدالمالک کے مدرسہ جامعہ عربیہ میں داخلہ لیا اور یہاں پر دورہ موقوف علیہ اور دورہ حدیث کی تکمیل کی۔

مولانا گوہر رحمٰن کی زندگی میں بنیادی کردار اسی مدرسہ کا ہے اور خصوصی طور پر حضرت مولانا عبدالمالک جن کی خصوصی شفقت مولانا گوہر رحمٰن کو حاصل تھی جس کی وجہ سے مولانا نے تمام تر کسمپرسیوں اور افلاس کے باوجود اپنی تعلیمی سرگرمیوں کو متاثر نہ ہونے دیا۔

مولانا گوہر رحمٰن خود اپنی زمانہ طالب علمی کی کسمپرسیوں اور مولانا عبدالمالک کے ساتھ خصوصی تعلق کو بیان کرتے ہوئے وہ لکھتے ہیں۔

> "میرا طالب علمی کا زمانہ انتہائی افلاس اور ابتلاء کا زمانہ تھا کھانا تو کسی نہ کسی طریقے سے مسجد میں مل ہی جاتا تھا اگرچہ سرڈھیری میں قیام کے دوران بعض اوقات ہفتوں تک فاقہ کرنا پڑتا تھا لیکن کپڑوں اور جوتوں وغیرہ کے لیے تعلیمی اوقات کے بعد مزدوری کرتا تھا میرے اساتذہ میں سے ایک مولانا عبدالمالک صاحب مرحوم ہیں جو سرڈھیری کی مسجد میں پڑھاتے تھے مجھے اچھی طرح یاد ہے کہ اذان فجر سے تھوڑی دیر سے پہلے مسجد میں تشریف لاتے تھے ہاتھ میں قہوے یا چائے کی چائنک ہوتی ہمیں جگا کر وضو کرنے اور دو رکعت نفل پڑھنے کا حکم دیتے تھے اور پھر ایک ایک پیالہ قہوہ یا چائے پلا کر پڑھائی شروع کرتے نماز فجر تک ایک یا دو سبق ہو جاتے اور باقی سورج نکلنے کے بعد پڑھاتے خود چونکہ نادار تھے اس لیے ہمارے کپڑوں وغیرہ

> کے لیے کبھی کبھی اہل خیر مسلمانوں کو متوجہ کرتے تاکہ ہمیں مزدوری کی زحمت نہ اٹھانی پڑے۔"(۳)

مولانا گوہر رحمٰن صاحب حضرت مولانا عبدالمالک کے ہاں پڑھتے تھے تو اس دور میں ایک خواب دیکھا جس کا بعد میں بھی بڑی خصوصیت کے ساتھ ذکر کرتے تھے۔ مولانا لکھتے ہیں۔

> عام طور پر تو میرے شفیق اور مخلص شیخ طلوع فجر سے پہلے جگا دیتے تھے لیکن ایک دن اذان فجر اور نماز فجر کے درمیان میں سویا ہوا تھا کہ یہ خواب دیکھا کہ میں نے محسوس کیا کہ قیامت آگئی ہے اور مجھے ایک سیڑھی پر چڑھنے کا کہا گیا ہے جب میں اوپر چڑھا تو اردگرد کمروں کی قطاروں کو دیکھا بغیر کسی رہنمائی کے میں ایک کمرے میں جا کر بیٹھ گیا اور بیٹھتے ہی میرے سامنے طالب علم جمع ہوئے اور میں نے پڑھانا شروع کر دیا شاید اسی خواب کی تاثیر ہے کہ اب تک درس و تدریس اور تحقیق و مطالعے کا شوق بحال ہے(۴)

تدریس اور تدریسی طریق کار

حضرت مولانا گوہر رحمٰن صاحب علم و فضل اور جرأت و حق گوئی میں اپنے زمانے کے ان چند جید علماء میں شامل ہیں جو انگلیوں پر گنے جا سکتے ہیں۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا

"انما العلماء ورثۃ الانبیاء"(۵)

اس روایت کی رو سے علمائے امت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے وارث اور خلفاء ہیں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد نبوت ختم کر دی گئی ہے اس لیے امت میں ایسے علماء پیدا ہوں گے جو علمی، عملی اور روحانی ہر لحاظ سے امت کی قیادت اور دین کے احیاء کا کام کریں گے ختم نبوت کا تقاضا ہے کہ اس امت میں ایسے علماء پیدا ہوں جو اپنی صلاحیتوں اور علم و کردار کے

لحاظ سے انبیاء علیہم السلام خصوصاً نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی جانشینی اور آپ کے مشن کو دوسرے درجے میں اسی شان سے آگے بڑھا سکیں جس شان سے پہلے درجے میں آپ ﷺ نے بڑھایا تھا ختم نبوت سے اشارہ ملتا ہے کہ امت کے علماء نہایت ہی بلند درجے پر فائز ہوں گے وہ مقتدر اور پرکشش شخصیات کے حامل ہوں گے چنانچہ یہ ایک تاریخی حقیقت ہے کہ ہر دور میں امت کے علماء نے علمی میدان میں کفر اور ائمہ کفر کو پسپا کیا اور دین اسلام کو علمی میدان میں غالب کیا ہے اس دور میں جو علماء نمایاں ہوئے نظر آئے اور آسمان علم پر آفتاب بن کر نمودار ہوئے ان میں شیخ القرآن مولانا گوہر رحمن آب وتاب کے ساتھ چمکتے رہے۔

مولانا گوہر رحمن نے علوم وفنون اور تفسیر وحدیث کی تدریس میں ایک منفرد مقام حاصل کیا مولانا خود اپنی تدریسی سرگرمیوں کے بارے میں لکھتے ہیں۔

"غالباً ۱۹۵۱ء میں ۱۵ سال کی عمر میں درس نظامی کی ضروری کتابوں کی تکمیل کے بعد میں نے ضلع صوابی قصبہ حسین یار کے محلہ ڈاکی چم کی مسجد میں درس وتدریس کا آغاز کیا میری تدریس میں ڈاکی چم کے مسلمانوں کا اہم کردار ہے۔"

مولانا محمد ہارون آپ کی تدریسی سرگرمیوں کے حوالے سے لکھتے ہیں۔

"۱۹۵۲ء میں مستقل طور پر چھراسی زروڈگی سے نقل مکانی کر کے یار حسین میں آباد ہونے کے بعد وہیں تعلیم وتدریس میں مشغول ہو گئے ۵۷/۱۹۵۶ء میں شیخ القرآن مولانا محمد طاہر پنج پیر مرحوم اور شیخ القرآن مولانا غلام اللہ خان صاحب کے اصرار پر دارالعلوم تعلیم القرآن راولپنڈی میں اسلامی علوم وفنون کی تدریس کے لیے تشریف لے گئے اور وہاں درجہ عالیہ کی کتابیں پڑھاتے رہے بعد ازاں مفتی سیاح الدین کاکا خیل مرحوم کے اصرار پر جامعہ سلفیہ فیصل آباد تشریف لے گئے۔ وہاں منطق، اصول فقہ اور فلسفہ کی کتابیں پڑھائیں۔ ایک سال بعد آپ کو پھر واپس آنے کا شوق دامن گیر ہوا چنانچہ آپ واپس

اپنے گاؤں یار حسین ضلع صوابی آگئے اور یہاں یار حسین کے محلہ ڈاکی چم اور محلہ جان خیل میں امامت اور خطابت اور درس وتدریس کے فرائض سر انجام دیتے رہے۔ جنوری ۱۹۶۳ء میں مردان کے حاجی سرفراز مرحوم کی دعوت پر محلہ رستم خیل مردان میں مستقل سکونت اختیار کر لی اور تفہیم القرآن کے نام سے ایک ادارہ قائم کیا"۔(۶)

مولانا گوہر رحمن کے حالات زندگی سے اس بات کا ثبوت ملتا ہے کہ آپ نے پوری زندگی درس وتدریس میں وقف کر دی۔ تمام زندگی امر بالمعروف ونہی عن المنکر کا فریضہ سر انجام دیتے رہے اسلامی تعلیمات کے فروغ کے لیے آپ نے لاتعداد خطاب کیے آپ کا انداز بیان نہایت موثر تھا اور آپ ایک بہترین معلم، خطیب اور مقرر تھے۔

طریقہ تدریس

مولانا کی پوری زندگی درس وتدریس میں گزری۔ آپ محض استاد ہی نہ تھے جو وقت گزاری کے لیے پڑھاتے بلکہ وہ اپنے پیشہ سے پورا انصاف کرتے تھے وہ درسی کتاب سے محض پیراگراف ہی نہ پڑھاتے بلکہ اس سے متعلقہ معلومات کا اضافہ کر کے اپنے لیکچرز کو زیادہ بامقصد اور دلچسپ بناتے تھے۔ ان کا طریقہ تدریس اس قدر موثر تھا کہ بہت سے طالب علم کلاس کے بعد بھی ان سے وقت دینے کا تقاضا کرتے۔

قاری شبیر بہادر آپ کے طریقہ تدریس کے بارے میں لکھتے ہیں۔

"میں نے دو دفعہ مولانا مرحوم کے دورہ تفسیر القرآن میں شرکت کی ہے اور مولانا کے دورہ تفسیر میں جانے سے پہلے اور بعد میں مختلف علمائے کرام کے دروس قرآن میں شامل ہوا لیکن مولانا کے درس میں دوسروں کے مقابلے میں مندرجہ ذیل امتیازی اوصاف نظر آئے۔

۱۔لفظی نکتہ چینی اور تدقیقات کے بجائے مولانا مرحوم آیات قرآنیہ کے عملی مصداقات اور منصوبات کو اچھی طرح واضح کرتے۔

۲۔احکامات قرآنیہ کی پوری توضیح کر کے آخر میں اس کا خلاصہ بیان

کرتے اور ان اختلافات میں تمام مسلکوں اور علمائے متقدمین و حاضرین کے اقوال بھی بیان کرتے۔

۳۔آیات کریمہ کے شان نزول کو حالات حاضرہ پر منطبق کرتے۔

۴۔انفرادی اور اجتماعی معاملات دونوں کے بارے میں بیان فرماتے۔

۵۔اکثر مسلکی مسائل میں اپنی اجتہادانہ رائے قائم فرماتے اور تقلید مطلق سے گریز فرماتے۔

۶گروہ بندی تعصب پرستی اور انانیت کے بتوں پر سخت ضرب لگاتے اور فرماتے کہ میرا مدرسہ نہ دیوبندیوں کا ہے نہ اہل حدیثوں کا اور نہ اشاعۃ التوحید والسنۃ کا اور نہ جماعت اسلامی کا اور نہ بریلوی حضرات کا بلکہ یہ مسلمانوں کا ہے۔یہاں ہم کسی فرقے کے داعی علماء تیار نہیں کرتے بلکہ یہاں ہم ایسے علماء تیار کرتے ہیں جو داعین الی اللہ اور ہر قسم کی گروہ بندی اور تعصب سے پاک ہوں۔

۷۔آپ کی وسعت نظر کا حال یہ تھا کہ اپنے درس قرآن کے دوران ہر اس عالم اور ہر اس دینی جماعت جو موحدین کی جماعت سے ہو ان کی سرگرمیوں کی تعریف فرماتے لیکن اس شخص اور تنظیم کی سرگرمیوں پر سختی سے گرفت فرماتے جو کتاب اللہ اور سنت رسول کے خلاف ہو۔

۸۔درس کے دوران ہر قسم کے جہاد خصوصا قتال فی سبیل اللہ کی بڑے جذبے سے ترغیب دیتے۔

۹۔دوران درس فضول ہنسی مذاق کی باتیں نہ فرماتے بلکہ سنجیدگی اور فرض شناسی سے بات کرتے۔

۱۰۔آپ کے اعتدال کا حال یہ تھا کہ مدتوں کا کوئی متعصب طالب علم بھی آپ کے درس میں شامل ہوتا تو اتنا متاثر ہوتا کہ اپنے ماضی پر نادم ہوتا اور آئندہ کے لیے اعتدال پسندی اختیار کرنے کا مصمم ارادہ

کرتا۔(۷)

مولانا گوہر رحمن صاحب نے ۱۹۶۸ء میں ماہ رمضان میں عام لوگوں کے لیے دورہ تفسیر شروع کیا۔ ۱۹۸۱ تا ۱۹۸۷ء میاں طفیل محمد صاحب کی دعوت پر منصورہ لاہور میں دورہ تفسیر کرایا۔ ۱۹۸۷ء کے بعد سلسلہ جامعہ اسلامیہ تفہیم القرآن مردان جاری رہا اور مختلف شعبہ ہائے زندگی کے لوگ اس میں شریک ہوتے تھے۔

مولانا ثناء اللہ دورہ تفسیر کی خصوصیات بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ

"مولانا محترم سلف صالحین کی طرز پر دورہ تفسیر کراتے تھے اس مقصد کے لیے تفسیر کی بنیاد امہات الکتب کا خلاصہ طلبہ کو بیان فرماتے تھے صحیح احادیث کی روشنی میں تفسیر کراتے دوران تفسیر مشکلات قرآن کے حل کے ساتھ ساتھ توحید، حجیت حدیث، ختم نبوت، اتحاد امت، شان صحابہ، خلافت و سیاست، معیشت اور اسلامی معاشرت جیسے اہم مضامین پر تفصیلی بیان فرماتے اس کے ساتھ ساتھ قدیم و جدید، فتنے اور باطل فرقے کا علمی انداز میں رد فرماتے، احکامی آیات کی خصوصی تشریح فرماتے اور قرآنی احکام حالات حاضرہ اور مسائل جدیدہ پر انطباق کا طریقہ سکھاتے تاکہ طلبہ کے اندر مسائل جدیدہ اور حالات واقعات پر شرعی احکام کو منطبق کرنے کا ملکہ اور صلاحیت پیدا ہو سکے"(۸)

علامہ عنایت اللہ نائب صدر جمعیت اتحاد العلماء پاکستان لکھتے ہیں کہ

"مولانا کا علم محض رسمی، سطحی یا صرف سماعی نہیں تھا بلکہ ان کا انداز بتاتا تھا کہ دین کے اصل ماخذوں سے نا صرف آشنا ہیں بلکہ ان کی حقیقت تک رسائی رکھتے ہیں"(۹)

دورہ تفسیر کی طرح مولانا طلبہ کو دورہ حدیث بھی کراتے تھے دورہ حدیث میں طلبہ کو جامع ترمذی شریف اور دورہ موقوف علیہ کے طلبہ کو مشکوٰۃ شریف کا درس دیتے تھے دوران درس

اس بات کا خیال رکھتے کہ تمام مباحث کو وضاحت کے ساتھ بیان کیا جائے درس بخاری دیتے ہوئے مولانا عبادات، ایمانیات،معاملات ،معاشرات ،معاشیات ،قضاء،امارت، حدود، قصاص، جہاداور قضاپر مفصل تشریح فرماتے تھے فقہی مسائل میں ائمہ اربعہ اور دیگر علماء وفقہاء کی آراء اور دلائل کو بیان فرماتے مشکلات الحدیث کے حل اور احادیث سے احکام شرعیہ کا استنباط آلات جدیدہ اور دور جدید ہ کے مسائل کا شرعی حکم ان کی درسی خصوصیات میں سے تھیں ۔ان کا ہر درس تحقیق وتدقیق اور اجتہادی بصیرت سے مزین ہوتا تھا۔

مولانا گوہر رحمن اگرچہ قرآن وسنت کے استاد تھے لیکن انہوں نے زندگی کے آخری چند برسوں میں اس بات کا عزم وارادہ کر لیا تھا کہ تخصص فی الفقہ کا آغاز کیا جائے۔ ان کی نظر میں عام مدارس میں جو نصاب پڑھایا جاتا ہے وہ ناکافی ہے اور اس سے اجتہادی بصیرت کے حامل مفتیان کرام کی جگہ ناکلیں فتوئی تیار ہو رہے ہیں۔انہوں نے اس مقصد کے لیے ایک جامع اور مکمل نصاب ترتیب دے دیا تھا۔داخلہ اور دیگر شرائط وتفصیلات کا بھی اعلان کر دیا تھالیکن اپنی شدید علالت کی وجہ سے اس کا آغاز نہ کر سکے۔ (۱۰)

مولانا نے اگرچہ جدید تعلیم کسی سکول ،کالج یا یونیورسٹی سے حاصل نہیں کی ۔تاہم عصری مسائل وافکار سے وہ ویسے ہی باخبر تھے جس طرح قدیم علوم کے گوشے گوشے سے واقف تھے۔

تعلیمی خدمات

مولانا گوہر رحمن پوری زندگی سربلندی اسلام کے لیےکوشاں رہے ۔آپ نے خدا کی حاکمیت اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی شریعت کے عملی قیام میں کئی مختلف النوع اقدام اٹھائے تاکہ خدا کی سرزمین پر خدا کا قانون غالب آجائے اس مقصد کے پیش نظر آپ مدرسہ جامعہ اسلامیہ تفہیم القرآن اور جامعہ اسلامیہ تفہیم القرآن للنساء والبنات کا قیام عمل میں لائے رابطہ المدارس کے قیام اور مختلف مدارس میں اتحاد کے قیام کے لیے آپ کی کوششیں مثالی نوعیت کی ہیں آپ نے اندرون ملک اور بیرون ملک دعوت دین کا فریضہ احسن طریقے سے سرانجام دیا اور اس کے ساتھ آپ نے طویل عرصہ قرآن وحدیث کی تعلیم دورہ تفسیر اور دورہ حدیث کی صورت

میں دی مولانا کی ان تعلیمی خدمات کی مختصر جھلک پیش خدمت ہے۔

مدرسہ جامعہ اسلامیہ تفہیم القرآن

مدرسہ جامعہ اسلامیہ تفہیم القرآن کے تعارف اور تاریخ کو بیان کرنے سے پہلے یہ ضروری ہے کہ مولانا گوہر رحمن کے اس موقف کو پیش کیا جائے جو دینی اور دنیاوی علوم ،دینی مدارس کی ضروریات ،دینی مدارس کے نصاب کے متعلق ہے مولانا گوہر رحمن لکھتے ہیں کہ دنیا اور متاع دنیا کے سارے علوم "ذریعہ حیات" سے متعلق ہیں لیکن سوال یہ ہے کہ زندگی گزارنے کا مقصد کیا ہے ؟اس کا جواب یہ ہے کہ اس کا مقصد اللہ کی عبادت ہے ۔اور عبادت کے مفہوم میں پورے کا پورا دین شامل ہے اس لئے پورے دین کے مطابق زندگی گزارنا "مقصد حیات" ہے نتیجہ یہ نکلا کہ دنیوی علوم "ذریعہ حیات" ہیں اور دینی علوم "مقصد حیات" ہیں۔ (۱۱)

اللہ تعالی نے قرآن مجید کو اس لیے نازل کیا ہے اور اس کے ساتھ اپنا رسول بھیجا ہے تاکہ اندھے بینا ہو جائیں اور اندھیروں سے نکل کر ایمان کے نور سے منور ہو جائیں۔

ارشادخداوندی ہے۔

﴿کتاب انزلناہ الیک لتخرج الناس من الظلمت الی النور﴾ (۱۲)

"یہ کتاب ہم نے تیرے پاس اس لیے نازل کی ہے کہ تو اس کے ذریعے لوگوں کو اندھیروں سے نکال کر روشنی میں لے آئے"

اللہ تعالی نے ایک اور مقام پر قرآن کریم کی تعلیم کو اور دعوت بالقرآن کو جہادکبیر قرار دیا ہے ارشادخداوندی ہے

﴿فلا تطع الکافرین و جاھدھم بہ جہادا کبیرا﴾ (۱۳)

"پس کافروں کی بات نہ مانو اور ان کے مقابلے میں قرآن کے ذریعے بڑا جہاد کرو"

مولانا گوہر رحمٰن لکھتے ہیں

"اسلام اسی جہاد کبیر کے ذریعے پھیلا ہے اور دینی مدارس اسی جہاد کبیر کے مراکز ہیں۔اس لیے معلمین دین اور داعیان اسلام انہی مراکز سے تیار ہوتے ہیں" (۱۴)

مولانا گوہر رحمٰن نے دینی مدارس کی ضرورت کی دس وجوہات بیان کی ہیں جو انتہائی اہم نوعیت کی ہیں۔

۱۔اللہ کی بندگی کے تقاضے پورے کرنا اور اس کے دین پر عمل کرنا علم دین کے بغیر ممکن نہیں ہے۔

۲۔دعوت دین اور اقامت دین و نفاذ شریعت کے لیے جدوجہد کرنا علم دین کے بغیر ممکن نہیں ہے۔

۳۔اسلامی انقلاب کے لیے فکری انقلاب ضروری ہے اور فکری انقلاب علم دین کے بغیر ممکن نہیں ہے۔

۴۔اسلامی ریاست کو چلانے کے لیے اسلامی قیادت ضروری ہے اور اسلامی قیادت علم دین کے بغیر ممکن نہیں ہے۔

۵۔غیر اسلامی افکار پر تنقید کرنا اور علم وتحقیق کے میدان میں ان کا مقابلہ کرنا علم دین کے بغیر ممکن نہیں ہے۔

۶۔امت مسلمہ کے قائدین ،علماء دین ہیں اور علماء دین مدارس میں تیار ہوتے ہیں۔

۷۔قرآن کی تعلیم وتبلیغ جہاد کبیر ہے اور قرآن کا علم دینی مدارس میں ہی حاصل ہوسکتا ہے۔

۸۔قرآن وسنت کی تدریس کی مجالس پر سکینت اور رحمت نازل ہوتی ہے اور یہ مجالس دینی مدارس میں ہی قائم ہوتی ہیں۔

۹۔علم دین حاصل کرنا مسلمان مردوں اور عورتوں پر فرض ہے اور یہ فرض دینی مدارس میں

ہی ادا ہوسکتا ہے (۱۵)

دینی مدارس کا نصاب اورمولانا کی تجویز کردہ ترامیم

ہر تعلیمی ادارہ مقصد اور اہداف کو پیش نظر رکھتے ہوئے نصاب کو ترتیب دیتا ہے ڈاکٹر ،انجینئر ،سائنس دان اور وکیل کا نصاب اپنی ضرورت کے پیش نظر ہوتا ہے دینی مدارس کے قیام کا مقصد علماء دین تیار کرنا ہے اس لیے اسی مقصد کو پیش نظر رکھتے ہوئے دینی مدارس کے نصاب کو ترتیب دینا چاہیے دینی مدارس کے نصاب کی بنیاد قرآن وسنت پر ہونی چاہیے مولانا لکھتے ہیں کہ قرآن وسنت کو سمجھنے ،شرعی احکام معلوم کرنے اور نئے مسائل اور ان کے حل کے لیے اجتہادی بصیرت پیدا کرنے کے لیے صرف ونحو ،معانی و بلاغت ،عربی لغت و ادب، اصول تفسیر ،اصول حدیث ،اصول فقہ ،اسلامی فقہ اور علم الکلام کے فنون کی ضرورت پڑتی ہے بلکہ ان میں مہارت کے بغیر قرآن وسنت اور شریعت کے ماہرین تیار ہو ہی نہیں سکتے۔(۱۶)

مولانا گوہر رحمٰن کی پہلی تجویز یہ ہے کہ ان مندرجہ بالا علوم میں مدارس کے طلبہ کو خوب رسوخ حاصل ہونا چاہیے کیونکہ جو طلبہ ان فنون میں کمزور ہوتے ہیں ان کی تفقہ فی الدین بھی کمزور ہوتی ہے۔(۱۷)

مولانا کی دوسری تجویز یہ ہے کہ احادیث کی کتابوں کی صرف قرأت نہیں ہونی چاہیے بلکہ تحقیق وتشریح بھی ہونی چاہیے۔

مولانا کی تیسری تجویز یہ ہے کہ جس طرح یونانی فلسفہ سے متاثر فرقوں کے باطل نظریات سے طلبہ کو متعارف کرایا تھااس طرح دور حاضر کے باطل نظریات اشتراکیت ،سیکولر جمہوریت ،سیکولر معیشت ،سیکولر ریاست ،تجدد پسندی اور جدیدیت ،انکار سنت ،انکار ختم نبوت کے مقابلے میں علماء کو تیار کرنا ضروری ہے۔

مولانا جدید تعلیمی اداروں میں تعلیم حاصل کرنے کے مخالف نہیں تھے لیکن آپ علوم دینیہ اور علوم دنیویہ کے مشترک نصاب کو نقصان دہ قرار دیتے ہیں۔آپ کا یہ بھی موقف ہے کہ دینی علوم کے جامع ادارے قائم کرنا اسلامی حکومت کا کام ہے۔

جامعہ اسلامیہ تفہیم القرآن کا تعارف اور مقاصد

مولانا گوہر رحمن نے دو مختلف کتابچوں میں جامعہ اسلامیہ کی تاریخ کو بیان کیا ہے آپ لکھتے ہیں کہ جامعہ اسلامیہ تفہیم القرآن کا باقاعدہ قیام نو (۹) شوال ۱۳۸۶ھ بمطابق جنوری ۱۹۶۷ء میں محلہ رستم خیل مردان کی مسجد میں ہوا تھا۔

مولانا گوہر رحمن کا یہ مدرسہ اس لیے خاص اہمیت کا حامل ہے کہ اس میں کسی بھی نوع کی تعصب پسندی اور گروہی عصبیت نہیں ہے اور کسی مخصوص فرقے کی چھاپ اس پر نہیں ہے۔ مولانا خود لکھتے ہیں۔

> "جامعہ اسلامیہ تفہیم القرآن کی تاریخ اور کارکردگی اس بات کا عملی ثبوت ہے کہ یہ کسی فرقے کا مرکز نہیں ہے بلکہ ایک دینی ادارہ ہے جو فرقوں کے علماء تیار کرنے کی بجائے دین کے علماء تیار کر رہا ہے اور فرقہ واریت کے ماہرین تیار کرنے کی بجائے شریعت کے ماہرین تیار کرنے کی کوشش کر رہا ہے"(۱۸)

اس تعلیمی ادارے کا مقصد اور ہدف ایسے علماء دین تیار کرنا ہے جو درج ذیل دس اوصاف کے حاملین ہوں۔

۱۔ جو حق گو اور حق پرست ہوں۔
۲۔ جو سطحی اور سرسری نہیں بلکہ گہرے تحقیقی علم کا ذوق و شوق اور ملکہ رکھتے ہوں۔
۳۔ جو علم پر عمل کرتے ہوں اور علم کے ہتھیار کو اصلاح معاشرہ کے لیے استعمال کرتے ہوں۔
۴۔ جو دعوت دین اور اقامت دین کے لیے جدوجہد کا جذبہ صادق رکھتے ہوں۔
۵۔ جو فروعی و اجتہادی اختلاف کو امت میں افتراق کا ذریعہ نہ بناتے ہوں۔
۶۔ جو اتحاد امت کے داعی ہوں۔
۷۔ جو شرک و بدعت اور غیر اسلامی افکار کے ابطال اور رد میں مشغول رہتے ہوں۔
۸۔ جو قرآن و سنت کی اشاعت میں مصروف عمل رہتے ہوں۔

۹۔ جو تجدید و احیاء دین کے لیے کوشاں ہوں۔
۱۰۔ جو ظالم حکمرانوں سرمایہ داروں اور سیکولر سیاست دانوں کے آلۂ کار نہ ہوں۔(۱۹)

جامعہ اسلامیہ تفہیم القرآن للنساء والبنات کی عمارت

مولانا گوہر رحمن لکھتے ہیں کہ میری دیرینہ خواہش تھی کہ جامعہ تفہیم القرآن میں خواتین کی تعلیم کا الگ مدرسہ کھولا جائے عمارت کے لیے زمین تو موجود تھی لیکن بایں وہ عمارت بنانے کے لیے وسائل موجود نہیں تھے اور کوشش کے باوجود وسائل فراہم نہیں ہوئے تھے اور آخر کار اللہ تعالیٰ نے ہماری دعاؤں کو قبول کیا اور دو اہل خیر مسلمانوں کے دلوں کو اس طرف مائل کیا اور ان کے مالی تعاون سے محفوظ اور باپردہ عمارت بن گئی جس میں دس کمرے ہیں ایک ۶۰ فٹ لمبا اور ۳۰ فٹ چوڑا بمع برآمدے کے بڑا ہال ہے ایک کچن ہے اور سات غسل خانے ہیں اس کی تعمیر پر ۱۸۴۵۰۹۸ روپے خرچ ہوئے ہیں اور اس عمارت میں شوال ۱۴۱۹ھ بمطابق ۱۹۹۸ء سے پڑھائی شروع ہو گئی ہے اور مدرسہ النساء والبنات کے اس شعبے میں تین قسم کی تعلیم دی جاتی ہے۔

۱۔ دینی علوم کے چار درجوں کا نصاب ۲۔ دورہ تفسیر ۳۔ تحفیظ و تجوید

اس کے علاوہ ناظرہ قرآن پڑھانے کا انتظام بھی ہے۔ لیکن ناظرہ پڑھنے والی بچیوں کو کمروں کی قلت کی وجہ سے دارالاقامہ میں داخلہ نہیں مل سکتا(۲۰)

ادارہ تفہیم الاسلام کا قیام و مقاصد

مولانا گوہر رحمن جامعہ اسلامیہ تفہیم القرآن میں ادارتی تدریسی اور دعوتی فرائض کے ساتھ ساتھ تصنیف و تالیف اور مختلف مسائل کی تنقیح و تفہیم کا فقہی اور تحقیقی کام کرتے رہے اس علمی و تحقیقی کام کو ایک ادارے کی شکل دینے کے لیے آپ نے ادارہ تفہیم الاسلام کے نام سے اہم شعبہ قائم کیا جو اشاعت، تصنیف و تالیف اور اجتماعی بحث و تحقیق کا کام کرتا ہے اور جماعتی گروہ اور فرقہ وارانہ عصبیتوں سے بالاتر ہو کر حق جوئی حق گوئی اور حق پرستی کے

اصولوں کو مدنظر رکھتا ہے اس ادارے کے درج ذیل مقاصد ہیں۔

۱۔جدید حل طلب مسائل کی تنقیح اور ان کے شرعی حکم کی تحقیق

۲۔دینی احکام کی جدید عصری طرز تحریر میں تدوین وتشریح

۳۔سلف صالحین اور ائمہ مجتہدین کے درمیان پہلے سے جو مسائل اختلافی چلے آرہے ہوں اور دینی اور ملی مصالح کی بنا پر دلیل کی قوت کی بنا پر کسی ایک رائے کو ترجیح دینا۔

۴۔استفتاءات واستفسارات کے جوابات دینا

۵۔عوام کے اندر فہم دین ،دعوت دین ،محبت دین اور فکر اقامت دین پیدا کرنے کے لیے اصلاحی کام کرنا

جدید تعلیم کے متعلق مولانا کے تاثرات

مولانا گوہر رحمن جدید تعلیم کے بالکل مخالف نہ تھے آپ نے اپنے بیٹے کو اسلامیہ یونیورسٹی اسلام آباد اور ملائیشیا کی یونیورسٹیوں میں تعلیم دینے کے لیے بھیجا علاوہ ازیں ۲۴ اپریل ۱۹۹۹ء ایک سوال کا جواب دیتے ہوئے کہا کہ دین کا علم حاصل کرنا سب سے اہم ہے اور سب سے مقدم ہے لیکن سکول وکالج میں جو علوم پڑھائے جاتے ہیں وہ بھی ضروری ہیں اس لیے کہ علوم عصریہ یعنی اپنے دور کے علوم وفنون کا سیکھنا بھی اسلامی نظام چلانے کے لیے ضروری ہے۔ (۲۱)

یکم جون ۱۹۹۹ کو کمپیوٹر کے استعمال کے بارے میں اٹھائے گئے ایک سوال کا جواب دیتے ہوئے آپ نے کہا تھا کہ

"کمپیوٹر تو بہترین ذریعہ ہے اس کے استعمال سے نہ کسی نے روکا ہے اور نہ اس کے جواز میں کوئی شک وشبہ ہے بلکہ اس کے استعمال میں فائدہ ہے" (۲۲)

۵ نومبر ۱۹۹۹ کو جدید سائنسی علوم کے بارے میں اٹھائے گئے سوال کا جواب دیتے

ہوئے آپ نے کہا کہ جدید سائنسی علوم اور دوسرے عصری علوم کا سیکھنا ممنوع نہیں ہے بلکہ مفید ہے لیکن فوقیت اور اہمیت دینی علوم کو حاصل ہے دنیوی علوم کو دینی علوم کے رنگ میں رنگنا چاہیے تاکہ وہ دنیا وآخرت دونوں کی فلاح واصلاح کا ذریعہ ثابت ہوسکیں ۔دنیوی علوم ذریعہ حیات بھی ہیں اور دینی علوم مقصد حیات سے متعلق ہیں ذریعے کو نظر انداز کرنا بھی نادانی ہے لیکن مقصد حیات کو نظر انداز کرنا اس سے بھی بڑی حماقت ہے۔ (۲۳)

تصانیف

مولانا گوہر رحمن کی علمی تصانیف کی فہرست بہت طویل ہے ۔مولانا تدریس کے ساتھ ساتھ تمام عمر تصانیف وتالیف میں بھی مصروف رہے مولانا دینی علوم میں خوب مہارت رکھتے تھے مولانا کی علمی تصانیف میں جو بنیادی چیز ہے وہ قرآن اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت ہے مولانا کی تصانیف ہی ان کے عظیم کارناموں کا منہ بولتا ثبوت ہیں مولانا نے مختلف موضوعات پر اعلیٰ درجے کی کتب تصانیف کیں مولانا نے قرآن وحدیث ،توحید ،معاشرت، سیاست ،معیشت کے ساتھ ساتھ کئی فقہی امور پر کام کیا مولانا کی تصانیف بہت بڑا علمی سرمایہ ہیں آپ کے علمی اور تحقیقی کام کی فہرست درج ذیل ہے۔

۱۔اجتہاد اور اوصاف مجتہد

۲۔اجتہاد اور امام ابو حنیفہ کے فقہی اصول

۳۔اسلامی سیاست

۴۔تفہیم المسائل چھ جلدوں پر مشتمل

۵۔تبصرہ جہاد کشمیر

۶۔تصویر سازی اور فوٹو گرافی کی شرعی حیثیت اور شبہات کا ازالہ

۷۔جواہر التوحید

۸۔حقیقت توحید وسنت

۹۔حرمت سود پر اشکالات کا علمی جائزہ

۱۰۔حرمت سود پر عدالتی بیانات

۱۱۔شریعت ایکٹ ۱۹۹۱ کا علمی جائزہ

۱۲۔علوم القرآن دو جلدوں پر مشتمل

۱۳۔نفاذ شریعت اور اتحاد امت

۱۴۔عورت کی حکمرانی قرآن و سنت کی روشنی میں

۱۵۔عورت کی دیت قرآن و سنت کی روشنی میں

۱۶۔مسئلہ وسیلہ اور امام ابن تیمیہ کے حالات

۱۷۔مقدمہ درس بخاری

۱۸۔نفاذ شریعت اور علماء کا دینی فریضہ

مندرجہ بالا مولانا گوہر رحمن کی تصانیف کا ترتیب اور غور و فکر سے مطالعہ کیا جائے تو دینی اعتبار سے جن مسائل کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ان کو صحیح طریقے سے حل کیا جا سکتا ہے اور دوسری طرف ان تصانیف سے مولانا کی انتہائی محنت جہد و جہد، مسلسل عمل اور قوت استدلال کا ثبوت ملتا ہے۔

مولانا گوہر رحمن کی دینی تصانیف عوامی حلقوں میں مقبولیت کا منہ بولتا ثبوت ہیں۔آپ کے علمی کام کا عوام میں مقبولیت کا اندازہ مولانا کی علمی تصنیف "تفہیم المسائل" کے مطالعہ سے ہوتا ہے۔مولانا سے نہ صرف ملک میں موجود بلکہ بیرون ملک سے بھی لوگ علمی مسائل کے سلسلے میں رجوع کرتے تھے آپ نے "علوم القرآن" کی تصنیف صرف عوام کے بے حد اصرار پر کی۔

سیاسی خدمات

مولانا گوہر رحمن ایک عالم دین مفسر اور محدث ہونے کے ساتھ ساتھ ایک بہترین اور کامیاب عوامی رہنما بھی تھے آپ نے ملکی سیاست میں نئے رجحانات اور نئی اقدار کو متعارف کرایا تھا آپ کا شمار ان سیاستدانوں میں نہیں ہوتا جو بہار کے پھولوں کی طرح صرف الیکشن کے موسم میں لوگوں کو ملتے نظر آتے ہیں آپ ایک ایسے سیاست دان تھے کہ جن کی سیاست ایک خاص مقصد کے پیش نظر تھی آپ نے منافقت اور مفاد پرستی کی سیاست کو رد

کرتے ہوئے خلوص ،مروت اور عفو و درگزر جیسے خصائص کی حامل سیاست کو معاشرے میں متعارف کروایا آپ صرف مردان کے حلقہ کے لوگوں کے عوامی ترجمان نہ تھے بلکہ آپ نے قومی اسمبلی میں پورے ملک کے ترجمان کی حیثیت سے اپنا کردار پیش کیا آپ دو دفعہ قومی اسمبلی کے رکن منتخب ہوئے پہلی دفعہ آپ نے ۱۹۷۰ء کے عام انتخابات میں حصہ لیا تھا۔ (۲۴)

نیشنل اسمبلی کے حلقہ نمبر ۹ سے مولانا گوہر رحمن صاحب کو امیدوار کے طور پر نامزد کیا گیا۔آپ کے مد مقابل علاقے کی بااثر شخصیات تھیں۔ان میں پیپلز پارٹی کے عبد الخالق، ANP کے میر دل خان اور مسلم لیگ کے کرنل امیر محمد خان شامل ہیں مولانا گوہر رحمن چونکہ وسائل کی عدم دستیابی کے سبب موثر طریقے سے مہم نہ چلا سکے تھے اس لیے یہ نشست پیپلز پارٹی کے نمائندے عبد الخالق نے جیت لی تھی۔ (۲۵)

۱۹۷۷ء کے عام انتخابات میں مولانا کی شمولیت

پاکستان قومی اتحاد نے حلقہ این۔اے 26 مالاکنڈ کے لیے مولانا گوہر رحمن کو اپنا امیدوار نامزد کیا دلچسپ بات یہ ہے کہ مالاکنڈ مولانا کا علاقہ نہیں تھا آپ کا علاقہ تو مردان تھا لیکن عالم دین کی حیثیت سے پورے ملک میں اور بالعموم صوبہ سرحد میں قرآن و سنت کا پرچار کرتے رہے تھے اسلام سے گہری وابستگی نے آپ کو علاقائی حدود سے آزاد کر دیا آپ کے مد مقابل پیپلز پارٹی کے امیدوار محمد خان تھے اور علاقے کی بااثر شخصیات کا تعاون بھی حاصل تھا محمد خان نے اس بات پر زور دیا کہ مولانا اس علاقے کے نہیں ہیں وہ صرف ووٹ لینے کے لیے آئے ہیں الیکشن کے بعد نظر نہیں آئیں گے مولانا گوہر رحمن نے لوگوں کو یقین دلایا کہ میں عام آدمی ہوں اور آپ کی خدمت کے لیے ہر جگہ اور ہر وقت دستیاب ہوں۔

مولانا گوہر رحمن نے مساجد اور مدارس کو مرکز بنا کر لوگوں کے سامنے اس انتخابی ہتھکنڈے کو مسترد کر دیا کہ مولانا اس علاقے سے تعلق نہیں رکھتے مولانا نے اپنی انتخابی مہم کے دوران لوگوں کو عالمگیر سوچ عطا کی آپ نے لوگوں کو اس بات کا یقین دلایا کہ مالاکنڈ

میں نفاذ شریعت کے لیے جدوجہد کی جائے گی۔

آخر کار ۷ مارچ کو ووٹنگ ہوئی تو پورے ملک میں یہ دیکھا جا رہا تھا کہ یہ نشست کس کو حاصل ہوگی آپ نے ۲۸۶۸۸ ووٹ حاصل کیے جبکہ مد مقابل امیدوار محمد خان کو ۲۰۰۰۰ ووٹ ملے اور یوں مولانا نے ۸۰۰۰ کی برتری سے یہ نشست جیت لی۔ (۲۶)

مولانا گوہر رحمٰن کے کہنے پر لوگوں نے نظام مصطفیٰ کے قیام میں کلیدی کردار ادا کیا خاص کر مردان اور مالاکنڈ کے لوگوں کے جذبات بہت بلند تھے اور نظام مصطفیٰ کے قیام کے سلسلے میں ہر طرح کی قربانی دینے کو تیار تھے مولانا کی ترغیب پر لوگوں نے جی۔ٹی روڈ بند کر دیا تھا۔حکومتی ارکان جن میں وزیر دفاع ثنا خان شامل تھے مولانا کے پاس گئے اور کہا کہ آپ تحریری طور پر لوگوں سے سڑک کھولنے کے لیے کہیں، لیکن آپ نے انکار کر دیا۔ (۲۷)

اس کے بعد جنرل محمد ضیاء الحق نے غیر جماعتی بنیادوں پر ۱۲ جنوری ۱۹۸۵ کو عام انتخابات کروانے کا اعلان کر دیا۔غیر جماعتی بنیادوں پر انتخابات کروانے کی وجہ سے ایم۔آر۔ڈی نے ان انتخابات کے بائیکاٹ کا اعلان کر دیا عام لوگوں کے شدید اصرار پر مولانا نے NAP سے کاغذات نامزدگی جمع کروائے لوگ مولانا کے افکار و نظریات ،رویوں اور طرز عمل سے خوب آگاہ تھے اس لیے اس مرتبہ بھی مردان کے لوگوں نے اپنا ووٹ مولانا کے حق میں استعمال کیا آپ کے مد مقابل امیدوار حاجی مثال خان صاحب تھے جو علاقے کی معروف ترین اور مالدار سیاسی شخصیت تھے مولانا نے ۲۴۰۶۲ ووٹ حاصل کر کے یہ نشست جیت لی تھی آپ کے حریف حاجی مثال خان کو ۱۶۸۰۰ ووٹ ملے تھے۔ (۲۸)

کامیابی کے بعد دارالعلوم میں خطاب کرتے ہوئے آپ نے کہا تھا:

> "میری تمام کوششیں ملک میں شریعت کے نفاذ کے لیے وقف رہی ہیں اور ان شاء اللہ میں اپنی زندگی کے باقی لمحات بھی اسی راستے پر چلتے ہوئے صرف کروں گا۔" (۲۹)

متحدہ مجلس عمل کا قیام اور مولانا گوہر رحمٰن کا کردار

مولانا گوہر رحمٰن فرقہ پرستی کے سخت خلاف تھے دینی جماعتوں کا اتحاد آپ کی عظیم خواہش تھی اس خواہش کو عملی جامہ پہنانے کے لیے آپ نے کئی کوششیں کیں بالآخر ان کوششوں کے نتیجہ میں متحدہ مجلس عمل کا قیام عمل میں آیا جس میں ملک کی چھ بڑی مذہبی جماعتیں شامل ہیں ملکی تاریخ میں کبھی بھی مذہبی جماعتوں کو اتنے ووٹ نہیں ملے تھے جتنے اس الیکشن میں ملے متحدہ مجلس عمل اس وقت ملک میں ایک اہم سیاسی اور مذہبی حیثیت رکھتی ہے مولانا گوہر رحمٰن متحدہ مجلس عمل کی سرگرمیوں کا جائزہ لیتے رہتے تھے زندگی کے آخری ایام میں جب بیماری نے گھیر اتنگ کر لیا تو معلومات اپنے بیٹے عطاء الرحمٰن سے لیتے رہتے تھے۔

اتحاد تنظیمات

دینی مدارس کے اتحاد اور حکومت کی سازشوں کا مقابلہ کرنے کے بارے میں مولانا گوہر رحمٰن کے کردار کے بارے میں مولانا عبدالمالک لکھتے ہیں۔

> "بے نظیر اور نواز شریف کے دور میں دینی مدارس کو کنٹرول کرنے اور ان کو غیر موثر بنانے کے لیے بیوروکریسی نے مدارس دینیہ کے پلیٹ فارم سے تحفظ مدارس دینیہ کنونشن منعقد کیے اور حکومت کی پالیسیوں کو روکنے کی تحریک برپا کی گئی۔

جامعہ نعیمیہ لاہور،مرکز علوم اسلامیہ منصورہ،جامعہ فریدیہ اسلام آباد ،بنوری ٹاؤن کراچی میں عظیم الشان کنونشن منعقد ہونے پر مولانا گوہر رحمٰن نے ان کنونشنز کو اپنے عالمانہ ، مجاہدانہ اور مخلصانہ خطابات سے گرمایا۔بے نظیر کی حکومت میں وزارت تعلیم کے ساتھ مذاکرات کا آغاز ہوا۔میاں نواز شریف کے دور سے گزر کر صدر مشرف کے دور میں اس کی انتہا ہوئی۔اتحاد تنظیمات مدارس دینیہ نے اتحاد کے پلیٹ فارم سے امریکی منصوبہ ناکام بنا دیا۔ ڈاکٹر محمود احمد غازی،معین الدین حیدر اور صدر مشرف سے مذاکرات کے بعد آخری مذاکرات معین الدین حیدر سے اس حال میں ہوئے کہ حکومت نے مدرسہ بورڈ آرڈیننس جاری کر دیا تھا۔مدارس نے طے کیا کہ ہم آرڈیننس کے واپس لینے کے بعد مذاکرات کریں گے۔" (۳۰)

اتحاد امت کا مسئلہ اور اس کا حل

مولانا گوہر رحمٰن نے ۴،۳ نومبر ۲۰۰۰ کو لاہور میں ہونے والی ادارہ الفلاح کے زیر اہتمام بین الاقوامی اسلامی کانفرنس میں اکیسویں صدی میں امت مسلمہ کو درپیش چیلنجز کے عنوان سے ایک مقالہ پیش کیا آپ نے پانچ مختلف چیلنجز کا ذکر کیا ان میں سے ایک چیلنج ''انتراق امت اور انتشار ملت'' ہے۔آپ نے اس مقالے میں یہ بیان دیا کہ

> ''یہ امت نسلی، لسانی، طبقاتی گروہوں اور مسلکی فرقوں میں بٹی ہوئی ہے جس کی وجہ سے اس نظریہ کی صداقت کمزور دکھائی دیتی ہے جس کی بنیاد پر اس عالمی جماعت کی تشکیل ہوئی تھی یعنی اسلام کا نظریہ توحید،اس چیلنج کا حل یہی ہے کہ عالمی سطح پر اتحاد امت کے لیے بھرپور تحریک چلائی جائے اسلامی ملک میں نسل و زبان یا مذہبی فرقے کی بنیاد پر تنظیمیں بنانے کی اجازت نہیں ہونی چاہیے اور جو پہلے سے بنی ہوئی ہیں ان پر پابندی لگا دینی چاہیے اسلام میں اس کی اجازت نہیں ہے اور امت کے انتشار و افتراق میں ایسی تنظیموں کا بہت بڑا کردار رہا ہے''(۳۱)

مولانا گوہر رحمٰن کی دین اسلام سے محبت تو بالکل واضح ہے۔آپ نے پوری زندگی اسلام کے لیے وقف کردی آپ نے ہر محاذ پر اسلام کی دعوت کو عام کیا اور اس کے ساتھ ساتھ مغربی تہذیب و تمدن سے متاثر علماء کی جدیدیت کا ڈٹ کر مقابلہ کیا،عورت کی دیت یا عورت کی حکمرانی کا معاملہ ہو یا عدالت میں حرمت سود اور وراثت کا معاملہ ہو آپ نے دین کا صحیح تصور پیش کیا اس ٹھوس موقف اور پاکیزہ طرز عمل کی بنیاد پر آپ کو ہر محاذ پر کامیابی ملی آپ نے ملک کے کونے کونے میں اللہ اور اس کے رسول کا پیغام انسانیت تک پہنچایا آپ کی دعوت کا حقیقی مرکز و محور قرآن و سنت تھا اسی قرآن و سنت کے پیغام کو آپ نے ایوان اقتدار میں ٹھوس انداز میں پیش کیا کہ آپ کو مرد ایوان کا خطاب دیا گیا۔

اخلاق و عادات

مولانا گوہر رحمٰن ایک راسخ العزم، مستقیم الارادۃ ،اسلامی غیرت کا مرقع ہیکر

اخلاص ،منکسر المزاج اور گفتار و کردار میں اللہ کی برہان تھے۔پوری امت مسلمہ کے ہمدرد، غمخوار ،طاغوتی قوتوں کے لیے شمشیر بے نیام ،سلف صالحین کا حسین امتزاج اور بے شمار صلاحیتوں کے حامل ایک مرد قلندر تھے۔پاکیزہ سوچ مثبت رویہ اور نیک طرز عمل کی بنیاد پر تمام مکاتب فکر میں انتہائی مقبول اور قدر کی نگاہ سے دیکھے جاتے تھے۔مولانا کی زندگی کے مختلف گوشے ان لوگوں کے لیے روشنی کا سامان بن سکتے ہیں۔جو معاشرے میں بھلائی اور اصلاح کا کام کرنا چاہتے ہیں۔مولانا کی زندگی کے چند نمایاں خصائص درج ذیل ہیں۔

حق کو عالم دین

حق گو عالم دین کی سب سے بڑی پہچان یہ ہوتی ہے کہ وہ ہر حال میں ثابت قدم رہتا ہے خواہ حالات سازگار ہوں یا نہ ہوں،مشکلات زیادہ ہوں یا کم کوئی عزت احترام سے پیش آئے یا دشنام طرازی پر اتر آئے کوئی سیم و زر اور متاع دنیا کے پھندوں میں پھانسنا چاہے یا تختہ دار پر لٹکانا چاہے لاکھوں کے جلوس میں زندہ باد کے نعرے لگتے ہیں یا گالیوں اور پتھروں سے استقبال کیا جارہا ہو غرض ہر حالت میں حق گو عالم دین قرآن و سنت کے صراط مستقیم پر گامزن رہتا ہے مولانا گوہر رحمٰن کو ان تمام قسم کے حالات سے واسطہ پڑا لیکن آپ نے ہر مقام پر حق گوئی حق پرستی اور حق جوئی کا مظاہرہ کیا۔

مولانا کی حق گوئی کا ایک واقعہ اہم نوعیت کا ہے۔

> ''محمد خان جونیجو نے ایک کمیٹی بنائی کہ عورتوں کو کرکٹ کے لیے بیرون ملک جانا چاہیے تو مولانا نے اس کی مخالفت کی اور کہا کہ کوئی عورت اپنے محرم کے بغیر تین دن سے زیادہ سفر نہیں کرسکتی مولانا کے اس بیان پر تمام خواتین پارلیمنٹیرین نے واک آؤٹ کیا حاجی محمد سیف اللہ جو رکن پارلیمنٹ تھے نے مولانا سے کہا کہ اپنے الفاظ واپس لے لیں تاکہ یہ خواتین واپس آسکیں تو مولانا نے کہا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث پیش کی ہے میں اسے کیسے واپس لے سکتا ہوں''(۳۲)

فروعی مسائل میں اعتدال پسندی

مولانا گوہر رحمٰن فروعی مسائل میں اعتدال پسندی کا مظاہرہ کرتے تھے۔ مولانا کسی پر بھی طعن وتشنیع نہیں کرتے تھے اور نہ ہی کسی کے بارے میں کوئی غلط رائے دیتے تھے اشتعال انگیزی سے گریز کرتے ہوئے عالمانہ انداز میں تنقید کرتے۔

اعتدال اور احتیاط کی روشنی میں اپنانے میں مولانا کے اس طرز عمل کا واضح ثبوت ان کی کتاب تفہیم المسائل ہے جس میں متفرق مسائل کا نصوص شرعیہ کی روشنی میں مدلل جواب دیا گیا ہے۔ مولانا کے طرز استدلال کا دلچسپ نمونہ دور جدید کے مسائل مثلاً پوسٹ مارٹم، دودھ بنک اور خون بنک میں دیکھا جا سکتا ہے (۴۳)

تعصب سے گریز

مولانا گوہر رحمٰن کی زندگی میں تعصب نام کی کوئی چیز نہیں تھی وہ ایک داعی اور اتحاد امت کے عظیم مشن رکھنے والے تھے مولانا کا قائم کردہ مدرسہ تفہیم القرآن ایک ماڈل مدرسہ ہے جس میں کسی نوع کا تعصب نہیں ہے۔ آپ اس مدرسہ کے مقصد کے بارے میں لکھتے ہیں کہ

> ''جامعہ اسلامیہ تفہیم القرآن مردان خالص تعلیمی اور تحقیقی ادارہ ہے جو فرقہ واریت اور تحزب سے مکمل طور پر بالاتر ہو قرآن وسنت کی تعلیم و تحقیق اور طلبہ کی تربیت کا فرض سرانجام دے رہا ہے۔'' (۴۴)

مولانا گوہر رحمٰن لکھتے ہیں کہ

> ''فقہاء اسلام اور ائمہ مجتہدین کے فقہی اختلافات صحابہ کرام کے اختلافات پر مبنی ہیں اگر صحابہ کا اختلاف تفرق وتحزب نہیں تھا تو فقہاء کا اختلاف بھی تفرق وتحزب کا باعث نہیں بننا چاہیے'' (۴۵)

وفات

آخری عمر میں مولانا شدید علیل ہوگئے تھے لیکن اس شدید علالت کے باوجود جب

تک بیٹھنے اور بولنے کی سکت تھی درس کے سلسلہ کو جاری رکھا ۲۰۰۱ء میں آپ پر بیماری کے حملے ہوئے لیکن اس بیماری کی وجہ سے آپ نے اپنے مشن کو جاری رکھا۔

مولانا زندگی کے آخری ایام میں بھی سرگرم تھے اور دوسروں کو بھی سرگرم رکھتے تھے تعلیم وتدریس، دعوت وتبلیغ اور تحریکی کاموں میں پوری طاقت کے ساتھ مصروف رہے۔

یہاں تک کہ آخری وقت میں صحیح بخاری شریف باب بدء الوحی کی تیسری حدیث لکھ رہے تھے یہ الفاظ فرمائے۔

''فاخذنی فغطنی حتی بلغ منی الجهد''

نبی کریم نے فرمایا جبرئیل نے مجھے پکڑا، مجھے دبایا یہاں تک کہ میری برداشت سے باہر ہوگیا۔

گھر والے قریب ہی تھے انہوں نے آواز سنی ''قلم رکھتا ہوں، قلم رکھتا ہوں'' یہ عجیب آواز سن کر وہ پہنچے تو دیکھتے ہیں کہ لیٹے ہیں اور منہ اور آنکھیں بند ہیں اور روح پرواز کر گئی ہے مولانا جس دن رخصت ہوئے وہ ۱۸ مارچ ۲۰۰۳ء کا دن تھا۔

مولانا گوہر کی نماز جنازہ کالج گراؤنڈ مردان میں قاضی حسین احمد صاحب نے پڑھائی مردان کی تاریخ کا یہ سب سے بڑا جنازہ تھا بعد میں ہزاروں سوگواروں کی موجودگی میں آپ کو مدرسہ تفہیم القرآن کے احاطے میں سپرد خاک کر دیا گیا۔

حواشی وحوالہ جات

(۱) محمد ہارون، مولانا، شیخ القرآن کے حالات زندگی، ماہنامہ مشکوٰۃ المصباح لاہور، جولائی ۲۰۰۳، ص ۲۹

(۲) محمد ہارون، مولانا، شیخ القرآن کے حالات زندگی، ماہنامہ مشکوٰۃ المصباح لاہور، جولائی ۲۰۰۳، ص ۲۹

(۳) عبدالحق فاروق، پروفیسر، گوہر گیا، ماہنامہ جریدۃ الاتحاد اپریل ۲۰۰۳، ص ۱۰

(۴) ایضاً ص ۱۱

(۵) الدارمی، ابو محمد عبد اللہ بن عبد الرحمن بن الفضل بن بہرام (م ۲۵۵ھ) سنن دارمی، ص ۹۸، دار الکتب العلمیہ بیروت س ن

(۶) محمد ہارون، مولانا، شیخ القرآن کے حالات زندگی، ماہنامہ مشکوٰۃ المصباح لاہور، جولائی ۲۰۰۳، ص ۲۹

(۷) شبیر بیادر، قاری، خصوصیات دورہ تفسیر القرآن، ماہنامہ مشکوٰۃ المصباح لاہور، جولائی ۲۰۰۳، ص ۱۳

(۸) ثناء اللہ، مولانا، مولانا گوہر رحمٰن علم و عمل کا گوہر نایاب ہفت روزہ فرائیڈے اسپیشل جولائی ۲۰۰۳، کراچی

(۹) عنایت اللہ، علامہ، عالم ربانی مرد حق کو حضرت مولانا گوہر رحمٰن، ماہنامہ جریدۃ الاتحاد جون ۲۰۰۳، ص ۲۶

(۱۰) ثناء اللہ، مولانا، مولانا گوہر رحمٰن علم و عمل کا گوہر نایاب ہفت روزہ فرائیڈے اسپیشل جولائی ۲۰۰۳ کراچی

(۱۱) گوہر رحمٰن، مولانا، جامعہ اسلامیہ تفہیم القرآن کا تعارف اور مختصر تاریخ، ص ۸، مکتبہ تفہیم القرآن مردان ۱۹۸۷

(۱۲) سورہ ابراہیم ۱۴:۱

(۱۳) سورۃ الفرقان ۲۵:۵۲

(۱۴) گوہر رحمان، مولانا، جامعہ اسلامیہ تفہیم القرآن کا تعارف اور مختصر تاریخ، ص ۱۰

(۱۵) ایضاً، ص ۱۱

(۱۶) ایضاً، ص ۱۵

(۱۷) ایضاً، ص ۱۵

(۱۸) گوہر رحمان، مولانا، جامعہ اسلامیہ تفہیم القرآن کا تعارف اور مختصر تاریخ، ص ۲۹

(۱۹) ایضاً، 31

(۲۰) گوہر رحمان، مولانا، جامعہ اسلامیہ تفہیم القرآن کا تعارف اور مختصر تاریخ، ص ۳۲

(۲۱) گوہر رحمان، مولانا، تفہیم المسائل، ج ۲، ص ۱۲۸، ۱۲۹، مکتبہ تفہیم القرآن مردان ۱۹۹۹

(۲۲) ایضاً، ص ۲۳۰

(۲۳) ایضاً، ص ۲۶۶

(۲۴) گوہر رحمان، مولانا، تفہیم المسائل، ج ۲، ص ۱۲۸، ۱۲۹

(۲۵) ایضاً، ج ۳، ص ۴۴، ۱۳۵

(۲۶) ایضاً، ص ۲۶۶

(۲۷) ایضاً، ص ۲۹

(۲۸) عطاء الرحمن، ڈاکٹر، ہیرے کا جانا، مشکوٰۃ المصباح لاہور جولائی ۲۰۰۳، ص ۷۸

(۲۹) عبد المالک، مولانا، آہ! مولانا گوہر رحمٰن بھی رخصت ہو گئے، جریدۃ الاتحاد لاہور، ص ۳۲

(۳۰) عبد المالک، مولانا، آہ! مولانا گوہر رحمٰن بھی رخصت ہو گئے، جریدۃ الاتحاد لاہور، جون ۲۰۰۳، ص ۳۲

(۳۱) گوہر رحمٰن، مولانا، اکیسویں صدی میں امت مسلمہ کو درپیش چیلنجز، جریدۃ الاتحاد جنوری ۲۰۰۱، ص ۲۹

(۳۲) Parliment Diary ,12 June 1985

(۳۳) گوہر رحمان، مولانا، تفہیم المسائل، جلد ا، ص ۲۶۰، ۲۶۷، ۲۶۹

(۳۴) گوہر رحمان، مولانا، جامعہ اسلامیہ تفہیم القرآن کا تعارف اور مختصر تاریخ، ص ۳۱

(۳۵) گوہر رحمان، مولانا، نفاذ شریعت اور اتحاد امت، ص ۲۶، مکتبہ تفہیم القرآن مردان ۲۰۰۰

التفسیر، مجلس تفسیر، کراچی جلد ۹، شمارہ ۱۸، اپریل تا ستمبر ۲۰۱۲ء

مولانا شاہ احمد نورانی ۔ حیات وخدمات

محمد راشد انصاری

Allah the exalted kept sending this righteous and pious bondsmen in order to remove distortion in his religion and serve it Initially the Holy Prophets used to carry out this taske heartedly and ameliorate social and ideological disintegration.

Since the Holy Prophet Mohammad (May Allah's mercies and blessing be upon him) is the last prophet and noe no new prophet will come after him at all. Successors of the prophs have to carry out this responsibility. there fore Allah the Exalted kept sending down those who served his religion in real sense.

In my viewpoint, Molana Shah Ahmed Noorani was one of them. In this the tretise, I tried out at my full stretch to highlight Molana's religous, political and

national services with his brief biography. Most often, certain people on the basis of bias, grudge and resentment delibrately hide Molana's struggle and constant efforts he made in declaration of Qadyani Non-Muslim minority.

Molana's personality is so dimensional, versatile and comprehensive that a number of books be compiled on enormous adventures and feats prformed by him alone. Non theless, in this article, I briefly discussed some different aspects and facets of his life which will prove helpful to understand Molana's personality in a better way.

خلافت اور اس کے بعد کے ادوار میں اسلام کے آفاقی پیغام کو کائنات ارضی کی وسعتوں میں پھیلانے کے لئے دیگر بزرگوں کی طرح حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی آل مبارک بھی دنیا کے مختلف ملکوں میں پہنچی۔ آپ کی نسل پاک میں سے کچھ لوگ روس کے شہر سمرقند، بخارا اور خجند میں بھی آکر آباد ہوئے۔

آپ کی اولاد میں سولہویں صدی عیسوی میں خجند میں صوفی حمید الدین خجندی ایک ممتاز مبلغ اسلام تھے۔آپ کی شہرت دور دور تک پھیلی ہوئی تھی۔ یہاں تک کہ مغل تاج ظہیر الدین بابر نے ہندوستان پر حملے کا ارادہ کیا تو اس نے دیگر علماء ومشائخ اور مشاہیر کے ساتھ آپ کو بھی ہندوستان چلنے کی دعوت دی جو آپ نے قبول کرلی۔اس طرح ہندوستان کی سرزمین پر اس صدیقی خاندان کی باقاعدہ آبادکاری کا سلسلہ شروع ہوا (۱) زیرِ نظر مقالہ اسی خاندان کے ایک چشم وچراغ کی سوانح حیات علمی وملی خدمات پر مبنی ہے

خاندانی وجاہت:

مولانا شاہ احمد نورانی صدیقی کا خاندان میرٹھ میں ایک ممتاز علمی وروحانی گھرانے

کے طور پر مشہور رہا ہے۔ اس خاندان نے متعدد ملی تاریخ میں دینی، روحانی علمی خدمات کی یادگار اور قابل فخر داستانیں رقم کی ہیں۔

﴿۱﴾ آپ کے دادا مولانا شاہ عبدالحکیم صدیقی میرٹھی اپنی بزرگی وللّہیت کی بنیاد پر شاہی مسجد میرٹھ کے خطیب تھے۔ اور مذہبی وروحانی پیشوا ہونے کے ساتھ پائے کے شاعر بھی تھے اور ''جوش'' تخلص فرماتے تھے۔

﴿۲﴾ آپ کے دادا کے بھائی مولانا محمد اسماعیل میرٹھی صدیقی جن کی نظمیں آج بھی مشہور ومعروف ہیں اور پاکستان کے سرکاری نصاب میں شامل ہیں۔

﴿۳﴾ آپ کے تایا مولانا مختار احمد صدیقی جن کو فاضل بریلوی احمد رضا خان نے اپنی خلافت سے نوازا تھا آپ اپنی عمر کے آخری حصے میں بصارت سے محروم ہو گئے تھے۔ اس کے باوجود ان کی تحریرات نظمی ونثری جاری رہیں اور افریقہ کے متعدد تبلیغی سفر فرمائے۔

﴿۴﴾ آپ کے تایا مولانا نذیر احمد صدیقی کو بھی فاضل بریلوی مولانا احمد رضا خان کی طرف سے خلافت حاصل تھی۔ آپ بمبئی کی جامع مسجد کے بلند پایا خطیب تھے۔ اور پورے پاکستان میں ایک معتبر علمی شخصیت تھے۔ حتیٰ کہ بانیٔ پاکستان محمد علی جناح نے جب رتن بائی سے شادی کا ارادہ کیا تو آپ ہی سے مشورہ کیا تھا اور رتن بائی نے آپ کے دست پر قبول اسلام کیا اور آپ ہی نے محمد علی جناح کے ساتھ ان کا نکاح پڑھایا۔

یوں تو رتن بائی پر اس وقت کی مجلس احرار، جمیعت علمائے ہند، جماعت اسلامی اور یونینسٹ پارٹی نے آتش پرست اور غیر مسلم ہونے کے الزامات عائد کئے مگر شورش کاشمیری جیسے صحافی نے اس تاریخی واقعہ کو اپنی کتاب میں واضح طور پر بیان کر کے رتن بائی اور محمد علی جناح پر لگائے گئے الزامات کو دھو دیا ہے۔(۲)

﴿۵﴾ آپ کے والد ہندوستان میں مبلغ اسلام، سفیر پاکستان، سیاح عالم جبکہ افریقہ ویورپ اور عرب ممالک میں الخطیب العبدی کے القابات سے مشہور تھے۔ آپ بیک وقت عالم صوفی، مقرر، خطیب، مصنف، حکیم تھے۔ آپ کو کئی زبانوں پر عبور حاصل تھا۔ نعت گوئی آپ کو ورثہ میں حاصل ہوئی تھی۔ قوم کے مباحض شناس سیاست دان اور تحریک پاکستان کے ہراول دستے کے

سالار تھے۔ آپ نے اپنے والد شاہ عبدالحکیم، برادر اکبر مولانا احمد مختار، فاضل بریلوی مولانا احمد رضا خان، اشرفی میاں، مولانا عبدالباری فرنگی محلی، شیخ احمد الحتش، اور لیبیا کے مشہور وممتاز روحانی بزرگ شیخ السنوسی سے اکتساب فیض کیا اور ان سے بیعت حاصل کی۔

مولانا شاہ عبدالعلیم صدیقی نے تقریباً چالیس سال تک دنیا کے گوشے گوشے میں اسلام کا پیغام پہنچایا۔ اور شاید یہ دنیا کا کوئی ملک ہو جہاں آپ تشریف نہ لے گئے ہوں۔ افریقہ کے جنگلات ہوں یا یورپ کے شہر ایشیاء کے دور دراز علاقوں میں آپ نے اسلام کا پیغام پہنچایا۔ آپ کی کاوشوں سے تقریباً ستر ہزار افراد نے آپ کے ہاتھ پر اسلام قبول کیا۔ جن میں نائیجیریا کے وزیر اعظم احمد ڈبلیو شید، بورنیو کی شہزادی، مارشس کے فرانسیسی گورنر، بی ڈاو کی خاتون وزیر سیلون کے وزیر ایف نکلس بری، امریکی سائنسدان جارج ایمن ہونا بلکا پکین کے نامور اسکالر ڈاکٹر احمد ہارون وغیرہم شامل ہیں۔(۳)

اسی دوران مولانا اپنے وطن سے بھی بے خبر نہیں تھے۔ بلکہ برصغیر کی تاریخ کی ہر تحریک میں بھی آپ بھرپور طور پر حصہ لیتے رہے۔ چنانچہ آپ نے تحریک خلافت میں مولانا محمد علی جوہر اور مولانا شوکت علی گوہر کے شانہ بشانہ کام کیا۔ اور اسی دوران آپ نے چھ ماہ تک قید وبند کی صعوبتیں برداشت کیں۔ تحریک شدھی میں آپ نے مسلمانوں کو ہندوؤں سے بچانے کے لئے ہندوؤں کے گڑھ بمبئی، کرناٹک، احمد آباد، گجرات وغیرہ میں مراکز قائم کئے۔

مولانا عبدالعلیم نے ۲۳ مارچ ۱۹۴۰ء کو قرار داد پاکستان کی منظوری سے پہلے ہی مسلمانوں کو مشورہ دیا تھا کہ مسلم لیگ اور مسٹر جناح سے سیاسیات میں کام لیں۔ کیونکہ فی زمانہ علماء کرام ہندوؤں اور انگریزوں کی سیہ کاریوں کو سمجھنے سے قاصر ہیں۔ اور یہ کام وہی کر سکتا ہے جو انگریزوں اور کانگریس دونوں سے واقف ہو۔(۴)

۱۹۴۰ء کے آخر میں مولانا حج کے لئے روانہ ہوئے مگر آپ نے اس وقت بھی مسلمانوں کو ایک موثر پیغام دیا۔ آپ نے کہا کہ تمام برادران ملت کو علی العموم سفر حجاز مقدس میں آخری وصیت کرتے ہوئے رخصت ہوتا ہوں کہ جس طرح بھی ممکن ہو آئندہ انتخابات جدید میں تمام اختلافات کو مٹا کر آل انڈیا مسلم لیگ کی حمایت میں ہمہ تن سرگرم رہیں اور ابنائے وطن

کے دام تزویر میں آکر اپنے شیرازے کو منتشر نہ ہونے دیں اور ثابت کر دکھائیں کہ مسلمان متحد و متفق ہیں۔(۵)

مولانا عبدالعلیم نے قیام پاکستان کے بعد بھی خاموش تماشائی کا کردار ادا نہ کیا بلکہ ۱۹۴۸ء میں جید علماء کا ایک وفد لے کر محمد علی جناح سے ملاقات کی اور ایک جامع دستور آئین اسلامی پیش کیا۔جس پر قائد اعظم نے جواب دیا کہ ان شاء اللہ قومی اسمبلی کا اجلاس پیش ہونے پر اسے پیش کیا جائے گا۔مگر بدقسمتی یہ کہ قومی اسمبلی کا اجلاس پیش ہونے سے قبل ہی محمد علی جناح کا انتقال ہو گیا۔(۶) آپ گونا گوں مصروفیات ہونے کے باوجودکئی کتابوں کے مصنف بھی ہیں جن میں اردو،انگریزی اورعربی کی کتب شامل ہیں۔مثلاً کتاب التصوف،بہار شباب،احکام رمضان، اسلام کی ابتدائی تعلیم،اسلام کے اصول،اسلام اور اشتراکیت،اسلام میں عورت کے حقوق،مرزائی حقیقت کیا ہے،مکالمہ جارج برناڈشاہ(انگریزی)۔

﴿۶﴾ مولانا کی والدہ ماجدہ کا تعلق بھی ایک علمی خاندان سے تھا۔آپ بھی نسلاً صدیقی ہیں۔۱۸۹۸ء کومظفر گڑھ انڈیا میں پیدا ہوئیں۔انتہائی صابر وشاکر عبادت گزار خاتون تھیں۔آپ کا مدفن عبداللہ شاہ غازی کے مزار سے متصل ایک چھوٹے سے قبرستان میں واقع ہے۔

﴿۷﴾ مولانا شاہ عبدالعلیم کے چار صاحبزادے اور تین صاحبزادیاں تھیں۔صاحبزادگان میں مولانا شاہ محمد جیلانی،مولانا شاہ احمد نورانی،حامد ربانی اور حامد سبحانی ہیں۔اور صاحبزادیوں میں امۃ السبوح جوکہ نامور اسکالر ڈاکٹر فضل الرحمان انصاری کی زوجہ تھیں۔دوسری ڈاکٹر عزیزہ احمد تھیں اور تیسری ڈاکٹر فریدہ احمد ہیں۔یہ وہ شخصیات ہیں جن کا کسی نہ کسی اعتبار سے ملکی،سیاسی،دینی وملی خدمات کے حوالے سے کردار رہا ہے۔

پیدائش،تعلیم وتربیت

مولانا شاہ احمد نورانی ۱۷ رمضان المبارک ۱۳۴۴ھ،بمطابق ۳۱مارچ ۱۹۲۶ء میں میرٹھ میں پیدا ہوئے۔آپ کا سلسلہ نسب والد اور والدہ دونوں کی طرف سے حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ سے جا ملتا ہے۔مولانا نورانی کی رسم بسم اللہ بزرگوں کے طریقہ کار کے مطابق چار

سال،چار ماہ اور چار دن کی عمر میں کی گئی۔آٹھ سال کی عمر میں آپ نے مکمل حفظ کیا۔تکمیل حفظ قرآن کے بعد میرٹھ ہی میں آپ نے اپنی ثانوی تعلیم نیشنل عربک کالج سے مکمل کی۔جہاں ذریعہ تعلیم عربی زبان تھی۔بعد ازاں الہٰ آباد سے گریجویٹ کیااور ساتھ ساتھ مشہور مقامی مدرسہ،مدرسہ اسلامیہ قومیہ میں مولانا غلام جیلانی میرٹھی سے درس نظامی کی تکمیل کی۔بعد ازاں والدہ ماجدہ کے ساتھ مدینہ منورہ تشریف لے گئے۔جہاں آپ نے ایک سال میں مشہور قاری الشیخ حسن الشاعر سے قرات وتجوید کی تعلیم حاصل کی۔اور قران کریم خالص عربی طرز میں پڑھنا سیکھا۔اس طرح آپ نے محض بیس سال کی عمر میں درس نظامی قرات وتجوید اور گریجویشن سے فراغت حاصل کرلی تھی۔ساتھ ہی ساتھ مولانا اپنے والد کے ساتھ تبلیغی سرگرمیوں کے حوالے سے مختلف ممالک کے دورے بھی کرتے رہے اور خاص والد صاحب کے حکم پر بین الاقوامی زبانیں بھی سیکھتے رہے۔آپ کو دنیا کی سترہ زبانوں پر عبور حاصل تھا۔بین الاقوامی تبلیغ کے دوران لاکھوں غیر مسلموں کے آپ کے ہاتھوں مسلمان ہونے کے اسباب میں جہاں آپ کا علم اور کردار اہمیت کا حامل تھا وہیں آپ کی زبان دانی بھی بڑی موثر رہی ہے۔

والد کی جانشینی اور تبلیغ اسلام:

۱۹۵۳ء میں جب آپ کی عمر ستائیس سال تھی آپ کے والد اس دار فانی سے رحلت فرما گئے۔اس ابھرتی ہوئی جوانی میں اپنے والد محترم کے لگائے ہوئے اس چمنستان کی آبیاری کے لئے ذمہ داری سنبھالی اور اس نہج پر بین الاقوامی سطح پر تبلیغ فرما کر ان کی جانشینی کا حق ادا کیا۔اور ۱۹۵۵ء میں عالم اسلام کی عظیم یونیورسٹی جامعۃ الازہر(مصر) کے علماء کی دعوت پر قاہرہ تشریف لے گئے۔۱۹۵۶ء میں مولانا نے حضرت مفتی ضیاء الدین بابا خانوف(مفتی اعظم روس) کی دعوت پر روس کا تبلیغی دورہ کیااور سوشلسٹ معاشرہ کا مطالعہ کرکے نہ صرف ازبکستان، تاشقند،سمرقند، بخارا کے مقبوضہ علاقوں کے مسلمانوں میں دینی جذبہ بیدار کیا بلکہ طاقتور سوشلزم کے زمانے میں اپنے رابطوں کو مسلسل مستحکم کیا۔۱۹۵۹ء میں مشرق وسطیٰ کا تیز سفر کیا اور ۱۹۶۰ء میں شمالی افریقہ کا تبلیغی دورہ کیا۔۱۹۶۲ء میں نائیجیریا کے وزیر اعظم احمد ڈبلیو شہید کی دعوت پر وہاں تشریف لے گئے اور ان کے ذاتی مہمان کی حیثیت سے تین ماہ کا تبلیغی دورہ کیا۔اسی سال

صومالیہ، کینیا، ٹانگانیکا، یوگینڈا اور ماریشس بھی تشریف لے گئے۔یاد رہے کہ یہ زمانہ مولانا شاہ احمد نورانی کے عین عالم شباب کا زمانہ تھا۔(۷)

۱۹۶۳ء ہی میں مولانا نورانی کی اس قدر مصروفیات کے دوران مدینہ منورہ میں ان کی شادی انجام پائی۔ان دنوں پاکستان کی طرف سے غلاف کعبہ لے کر اکابر علماء اہلسنت کا ایک وفد عازم حج تھا جس میں مولانا کے ساتھ مفتی جمیل احمد نعیمی بھی شامل تھے۔مولانا جمیل احمد نعیمی کی ذاتی ڈائری میں موجود معلومات کے مطابق تاریخ نکاح ۲۴ ذی الحج ۱۳۸۲ھ بمطابق ۱۹ مئی ۱۹۶۳ء بروز اتوار درج ہے۔آپ کی فیملی پہلے ہی سے وہاں موجود تھی۔(۸) چنانچہ برصغیر کے نامور علماء ومشائخ دین کی موجودگی میں آپ کے والد کے معتمد ترین دوست مولانا ضیاء الدین مدنی (مشہور قطب مدینہ) کی پوتی اور مولانا فضل الرحمن کی صاحبزادی آپ کے عقد نکاح میں آگئیں۔

آپ کی ازدواجی زندگی آپ کے روزمرہ معمولات اور تبلیغ دین کے کام میں کبھی رکاوٹ نہ بنی۔بلکہ آپ طے شدہ پروگرام کے مطابق آپ شادی کے فوراً بعد ہی ترکی، فرانس، مغربی جرمنی، برطانیہ، ماریشس، نائیجیریا، اور اسکنڈے نیون ممالک کا تبلیغی دورہ کیا۔اور اسی سال چینی مسلمانوں کی دعوت پر عوامی جمہوریہ چین کا تبلیغی دورہ کیا۔شادی کے سالوں میں سربلندی اسلام اور تبلیغ دین متین میں آپ کی برق رفتار جدوجہد اور انتہائی مصروفیت آپ کی عظمت اور بلندی کردار کا منہ بولتا ثبوت ہے۔

۱۹۶۴ء میں مولانا نورانی نے امریکہ، جنوبی امریکہ، اور کینیڈا کا تبلیغی دورہ کیا۔۱۹۶۸ء میں آپ نے یورپ کا تفصیلی دورہ کیا جس میں آپ نے قادیانی رسالہ اسلامک ریویو لندن (برطانیہ) کے ایڈیٹر بی ڈاڈ سے چھ گھنٹے کا طویل مناظرہ کیا اور اسے کتابیں چھوڑ کر بھاگ جانے پر مجبور کردیا۔۶۹ء اور ۷۰ء کا عرصہ مولانا نورانی نے پاکستان ہی میں گزارا کیونکہ اس وقت پاکستان کے سیاسی ملکی حالات دگرگوں تھے۔۱۹۷۱ء میں آپ نے سعودی عرب اور دیگر عرب ممالک کا تقریباً ڈیڑھ ماہ کا دورہ کیا۔

مولانا شاہ احمد نورانی نے ۱۲ اپریل ۱۹۷۴ء کو بریڈ فورڈ برطانیہ کے سینٹ جارجز ہال

میں ایک عظیم الشان عالمی کانفرنس کی صدارت کی۔اس کانفرنس میں مختلف ممالک کے تقریباً پچاس علماء شریک ہوئے۔جس کی صدارت مولانا شاہ احمد نورانی نے کی۔اس موقع پر ۲۴ ملکوں میں ادارہ ورلڈ اسلامک مشن کی شاخوں کے لئے کنوینر مقرر کئے۔جن میں پاکستان، بھارت، سری لنکا، انڈونیشیا، تنزانیہ، پرتگال، صومالیہ، جنوبی افریقہ، سینی گال، نائیجیریا، مصر، شام، عراق، افغانستان، جرمنی، فرانس، ہالینڈ، انگلینڈ، امریکہ، سرینام، ارجنٹائن، سعودی عرب اور ٹرینی ڈاڈ شامل ہیں۔اسی سال ۳۰ جون کو مولانا شاہ احمد نورانی نے پاکستان کی اسمبلی میں مرزائیوں کو آئینی طور پر غیر مسلم قرار دینے کے لئے قرارداد پیش کی۔جس کے تحت ہمیشہ کے لئے مرزائیوں کو پاکستان کے آئین میں غیر مسلم قرار دیا گیا۔یہ سال اس حوالے سے پاکستان کا تاریخی سال ہے۔

۱۹۷۵ء میں مولانا نے چیئرمین ورلڈ اسلامک مشن کی حیثیت سے جید علماء ومفکرین کی قیادت کرتے ہوئے امریکہ، افریقہ اور یورپ کا دورہ کیا۔ابتداً حج وعمرہ کی سعادت حاصل کی بعد ازاں افریقہ کے ۱۸ ممالک کا تبلیغی دورہ کیا۔اور پھر یہ وفد برطانیہ روانہ ہوا۔جہاں دو ہفتے کے قیام کے بعد وفد نے امریکہ، جنوبی امریکہ، کینیڈا، مغربی جرمنی، اسپین، تیونس، لیبیا، الجزائر، مصر اور ترکی کا تبلیغی دورہ کیا۔اس دورے میں شاہ احمد نورانی اور ان کے وفد نے ایک لاکھ سے زائد میل کا سفر طے کیا اور ۶۰۰ سے زائد تقاریر کیں۔اس دورے میں سیکڑوں غیر مسلموں نے مولانا شاہ احمد نورانی کے ہاتھ پر اسلام قبول کیا۔

اس مختصر سے جائزے سے یہ اندازہ لگانا مشکل نہیں کہ مولانا شاہ احمد نورانی کی مصروفیات کا شیڈول سال بھر کے لئے تیار ہوتا تھا۔اس میں بین الاقوامی اور ملکی داخلی ضروریات کو ہمیشہ مدنظر رکھا جاتا تھا۔

۱۹۷۴ء میں تبلیغی دورہ پر جب ماریشس (افریقہ) گئے تو آپ نے ابتداً ایک اسلامی ادارے کی بنیاد رکھی اور ۱۲ ربیع الاول کو جلسہ عید میلاد النبی ﷺ کی صدارت کرتے ہوئے خطاب کیا۔اس جلسے میں ماریشس کے وزیر اعظم رام غلام، گورنر جنرل سر عثمان، چیف جسٹس ایچ کاسن علی، اراکین اسمبلی، ملکی وغیر ملکی سفراء اور مختلف اسلامک ممالک کے سربراہان شامل تھے۔جس میں ہندو وزیر اعظم نے کہا کہ ماریشس کے وزیر اعظم بالخصوص مسلمانوں پر مولانا شاہ

احمد نورانی کا یہ عظیم احسان ہے کہ وہ اپنی تمام تر مصروفیات کو چھوڑ کر یہاں تشریف لائے۔وہاں سے آپ عمرہ کی ادائگی کے لئے سعودی عرب اور پھر وہاں سے کینیا تشریف لے گئے۔

۱۹۷۵ء میں مولانا نورانی کیپ ٹاؤن (جنوبی افریقہ) گئے۔مولانا نے وہاں شہریوں کے استقبالئے میں ''اسلام بیسویں صدی کے چیلنج کو قبول کرتا ہے'' کے عنوان سے انگریزی میں خطاب کیا۔اس دورہ میں ۴۵ یورپی اور مقامی افراد نے اسلام قبول کیا۔۱۹۷۶ء میں مولانا نے برمنگھم میں برطانیہ کی تاریخ میں مسلمانوں کے سب سے بڑے اجتماع نظام مصطفےٰ کانفرنس سے خطاب کیااور فروری ۱۹۸۰ء میں امریکہ کے شہر نیو یارک میں کولمبیا یونیورسٹی کے انٹر نیشنل ہال میں ''اسلام کی ہمہ گیریت'' کے موضوع پر انگریزی میں خطاب کیا۔یونیورسٹی کی ایک پروفیسر خاتون نے مولانا کی تقریر سے متاثر ہو کر اسلام قبول کیا۔بعد ازاں ریاست ٹرینی ڈاڈ کے مسلمانوں کی دعوت پر وہاں پہنچے تو ائر پورٹ پر مولانا کا فقید المثال استقبال کیا گیااور پوری ریاست میں عام تعطیل کردی گئی۔یہاں پچیس دنوں میں چالیس خطابات کئے۔یہاں سے سرینام،آسام،آئی لینڈ سے ہوتے ہوئے جرمنی پہنچے۔کولمبیا یونیورسٹی میں ''افغانستان میں روسی جارحیت اور افغان مہاجرین'' کے عنوان پر خطاب کیا۔پھر کیلیفورنیا اور لاس اینجلس کا دورہ کیا۔۱۵ جون ۱۹۸۰ء کو ورلڈ اسلامک مشن کی چوتھی کانفرنس میں شرکت کے لئے ہالینڈ تشریف لے گئے۔(۹)

۱۹۸۰ء سے لے کر اگلی دو دہائیوں تک اسی طرح مولانا امریکہ،افریقہ،یورپ اور ایشیاء کے ممالک کے برق رفتار تبلیغی دورے کرتے دکھائی دیتے ہیں۔جس میں سرکاری وغیر سرکاری اجتماعات سے خطابات میں غیر مسلموں کو اسلام کی دعوت دیتے ہیں۔اسلام کی اصل تعلیمات سے لوگوں کو خبردار کرتے ہیں۔مسلمانوں کو اتحاد بین المسلمین کا درس اور دین اسلام کی مبادیات پر ڈٹے رہنے کی تلقین کرتے ہیں۔دنیا کے حالات سے لوگوں کو باخبر کرتے ہیں۔ہزاروں غیر مسلموں کو مسلمان کرتے ہیں سینکڑوں مساجد اور اسلامی اداروں کی بنیادیں رکھتے ہیں اور اس کے ساتھ ساتھ اپنے ملک کے سیاسی ومذہبی حالات سے نہ صرف باخبر رہتے ہیں بلکہ اس میں بھرپور حصہ لیتے دکھائی دیتے ہیں۔حقیقت یہ ہے کہ یہ اولوالعزمی،برق رفتاری

اور اس کے ساتھ ساتھ مستقل مزاجی ہمیں دور دور تک دکھائی نہیں دیتی۔

اس حوالے سے آپ کا ۱۹۹۶ء کا ناروے کے دورہ کا ذکر فائدہ سے خالی نہ ہوگا جہاں آپ نے دنیا کے اس دورے میں عالیشان مسجد کی بنیاد رکھی۔اس دوران مذہب عیسائیت کے سب سے بڑے مذہبی رہنما پوپ جان پال نے افریقہ کا دورہ کیا۔اور کہا کہ اگلی صدی افریقہ کا مذہب عیسائیت ہوگا۔اس کے جواب میں مولانا نے اس کو چیلنج کیااور کہا کہ اگلی صدی میں نہ صرف افریقہ میں سب سے بڑا مذہب اسلام ہوگا بلکہ اگلی صدی دنیا پر غلبۂ اسلام کی صدی ہوگی۔

آپ کی زندگی کا آخری تبلیغی دورہ اگست ۲۰۰۳ء میں آئر لینڈ کا تھاجس میں آپ نے متعدد کانفرنسوں کی صدارت فرمائی یہ دورہ تقریباً دس دن پر مشتمل تھا۔(۱۰)

مولانا نورانی اور ورلڈ اسلامک مشن :

دنیا بھر کے مسلمان خصوصاً برصغیر کے لوگ جو امریکہ،برطانیہ،کینیڈا،اور یورپ کے بعض حصوں ،سنگھا پور،ہانگ کانگ وغیرہ میں رہائش پزیر ہیں ان کی مذہبی ضروریات نسبتاً زیادہ ہیں۔کیونکہ ان ممالک کی حکومتیں غیر مسلم ہیں۔عیسائی حکومت برملا اپنے مذہب کی سرپرستی کرتی دکھائی دیتی ہیں۔اور ان کی ہر وقت یہ کوشش ہوتی ہے کہ یہاں کے مسلمانوں کو عیسائی بنالیں اور اگر ایسا ممکن نہ ہوتو آئندہ نسل کو عیسائی بنانے کے لئے ماحول سازگار کریں۔

مولانا شاہ احمد نورانی چونکہ بچپن ہی سے بین الاقوامی سطح پر اسلام کی دعوت کو عام کرنے کے مشن پر عمل پیرا تھے اس لئے اس کیفیت کو انہوں نے شدت سے محسوس کیا۔اس کی کو دور کرنے کے لئے جنوری ۱۹۷۳ء میں حج کے موقع پر دنیا بھر کے مذہبی پیشواؤں کو مکہ مکرمہ میں اکٹھا کیا۔جس میں ان جید علماء کی مجلس مشاورت مسلسل کئی روز تک اس بات پر غور وفکر کرتی رہی کہ لادینیت کی یلغار کو روکنے،مسلمانوں میں دین کا احترام کرنے اور اسلامی طرز زندگی اپنانے کا جذبہ کیسے بیدار کیا جائے۔کئی روز کی محنت رنگ لائی اور یہ بات طے ہوگئی کہ عالمی سطح پر ایک مذہبی تنظیم کا قیام عمل میں لایا جائے اور اس کے ذریعے جہاں ایک طرف مسلمانوں کو قرآن وسنت کے مطابق زندگی بسر کرنے کی ترغیب دلائی جائے وہاں دوسری طرف لادینی

قوتوں کی یلغار کو بھی روکا جائے۔چنانچہ ۱۲ دسمبر ۱۹۷۳ء کو بریڈ فورڈ (برطانیہ) میں ورلڈ اسلامک مشن کا مرکزی سیکریٹریٹ قائم کیا گیا اور ۱۲ اپریل ۱۹۷۴ء کو مولانا نورانی کی صدارت میں سینٹ جارجز ہال میں اس کی پہلی کانفرنس منعقد ہوئی۔جس میں تنظیم کے اصول وضوابط ترتیب دئے گئے۔اس موقع پر پاکستان،ہندوستان،عراق،یمن،برطانیہ،افریقہ اور دیگر اسلامی ممالک سے تقریباً ایک سو سے زائد مذہبی رہنماؤں نے شرکت کی۔اس کانفرنس میں اس بات کا عہد کیا گیا کہ پاکستان اور ہندوستان میں جس طرح دین کا کام کیا جارہا ہے اسی طرح یورپ اور امریکہ سمیت دیگر ممالک کے افراد اور ان کے بچوں کو کفر سے بچانا بھی ہمارا دینی فریضہ ہے۔اور اس میں یہ بھی عہد کیا گیا کہ دنیا کے کسی بھی ملک میں مسلمانوں کو دفاع اسلام کی ضرورت پیش آئی تو ورلڈ اسلامک مشن اس فریضہ کو بھرپور طریقہ سے ادا کرے گا۔

مشن کی جانب سے تبلیغ کے خدوخال یوں واضح کئے گئے۔

۱۔مشن کی دعوت بنی نوع انسان کے لئے ہوگی مسلم وغیر مسلم کی تمیز کئے بغیر ترجیحاً مشن مسلمانوں کی اصلاح اور انہیں اسلامی احکام کا پابند بنانے کی کوشش کرے گا۔

۲۔کسی بھی غیر مسلم کو اسلام قبول کرنے کے لئے نہ کسی طرح کا لالچ دیا جائے گا اور نہ جبر بلکہ شعوری بنیاد پر تبدیلی لانے کے لئے ماحول پیدا کیا جائے گا۔تاکہ وہ دیگر مذاہب کے مقابلے میں اس کی آفاقی خوبیوں کی بدولت اسلام قبول کرے۔

۳۔مسلمان بچوں اور نوجوانوں کے قلوب میں اسلام کی تاریخ،عقائد وفرائض پیغمبر اسلام کے فضائل وکمالات اور صحابہ کرام کی زندگیوں کے نقوش ثبت کئے جائیں گے۔

۴۔مسلمان خواتین کو تربیت اولاد،فرائض عائلی،محاسن اخلاق اور معاشرت کی بنیادی تعلیم دی جائے گی تاکہ وہ اپنا کردار بھرپور طریقہ سے ادا کرسکیں۔

ورلڈ اسلامک مشن کی تنظیم پر غور کیا جائے تو ہر ملک ایک الگ یونٹ کی شکل رکھتا ہے۔تمام یونٹ اپنے اپنے وسائل سے اپنا کام سرانجام دیتے ہیں یورپ اور امریکہ کے بیشتر ممالک میں اس کی رجسٹریشن ہے۔ورلڈ اسلامک مشن نے اب تک اپنی مدد آپ کے تحت کینیڈا،ساؤتھ امریکہ،فرانس،ناروے،بیلجیم،ہالینڈ،پرتگال،جرمنی،آسٹریلیا،ماریشس،کینیا،

تنزانیہ اور ساؤتھ افریقہ سمیت بہت سے اسلامی ممالک میں اپنے ادارے قائم کئے ہیں۔جن میں ہزاروں تشنگان دین استفادہ کر رہے ہیں۔مولانا نورانی ہر سال ان اداروں کی کارکردگی،تنظیم تبلیغ اور نئے قائم شدہ مدارس ومساجد کا افتتاح وسیمینار میں شرکت کرنے کے لئے دنیا بھر کا دورہ کرتے تھے۔ان کا ورلڈ اسلامک مشن پاکستان کے دفتر میں بیٹھ کر اپنے اداروں سے مستقل رابطہ رہتا۔اور کسی بھی ایمرجنسی میں وہاں پہنچتے۔ان کے دورے اور رابطے پوری دنیا میں پھیلی ہوئی ورلڈ اسلامک مشن کی شاخوں کو مضبوط رکھتے تھے۔اگرچہ مولانا نورانی آج اس دنیا میں نہیں ہیں لیکن ان کے لگائے ہوئے اس چمنستان کی ہریالی وشادابی سے ایک عالم آج بھی لطف اندوز ہو رہا ہے۔

مولانا نورانی کی خدمات کو خراج تحسین پیش کرتے ہوئے ماریشس کے وزیر اعظم نے کہا تھا"ربیع الاول میں مولانا ماریشس تشریف لاتے ہیں تو ان کا استقبال سربراہ مملکت کی طرح ہوتا ہے۔اور ماریشس میں امن کا سہرا مولانا نورانی کے سر ہے۔"یہ جملہ مولانا نورانی کے عالمی مبلغ ہونے اور چیئرمین ورلڈ اسلامک مشن کے منصب جلیلہ کو بہترین طریقہ پر نبھانے کا اعتراف ہے۔(۱۱)

دعوت اسلامی کی تشکیل:

پاکستان میں محبت رسول کے فروغ اور لوگوں کو سیرت طیبہ پر عمل پیرا کرنے کے لئے مولانا شاہ احمد نورانی نے ۱۹۸۱ء میں علماء کرام کا ایک اجلاس بلایا جس کی صدارت جید عالم دین سید احمد سعید کاظمی نے کی۔اس میں مفتی وقار الدین،عبدالمصطفیٰ الازہری،ارشد القادری سمیت بہت سے علماء کرام شریک ہوئے۔رات دو بجے تک جاری رہنے والے اس اجلاس میں فیصلہ کیا گیا کہ خالصتاً غیر سیاسی انداز میں کام کرنے کے لئے ایک تنظیم قائم کی جائے جس کا بنیادی مقصد لوگوں کو رسول اللہ ﷺ کی سنت پر عمل کرنے کی ترغیب ہو۔تاکہ پاکستانی معاشرے میں حضور کی سنت سے دوری کا جو رجحان پھیلتا جارہا ہے اسے روکا جاسکے۔اور نوجوانوں کو سیرت نبوی میں ڈھالنے کا انتظام ہو۔ہر جگہ درود وسلام کی صدائیں گونجیں۔اس تنظیم کا نام دعوت اسلامی تجویز کیا گیا۔اور مفتی وقار الدین کو یہ ذمہ داری سونپی گئی کہ وہ اس کام کا آغاز کریں۔اور

پھر اس کام کے لئے جو بہترین نوجوان نظر آئے یہ کام اس کے سپرد کر دیا جائے۔ان دنوں مفتی وقار الدین کے پاس مولانا الیاس قادری زیر تعلیم تھے انہوں نے مولانا شاہ احمد نورانی سے اجازت لے کر مولانا الیاس قادری کو دعوت اسلامی کا امیر مقرر کر دیا۔آج مولانا شاہ احمد نورانی کا لگایا ہوا دعوت اسلامی کا یہ پودا تناور درخت بن چکا ہے کہ ملک کے طول وعرض میں دعوت اسلامی کے "اسلامی بھائی" حضورﷺ کی سنتوں کو عام کرنے کے لئے شب وروز کوشاں ہیں۔ لاکھوں نوجوان دعوت اسلامی سے وابستہ ہیں۔ہر سال اس کا باقاعدہ سالانہ سہ روزہ اجتماع منعقد ہوتا ہے۔جس میں لاکھوں افراد شریک ہو کر حضورﷺ کی سنتوں کا احیاء کرتے ہیں۔

★داعی اتحاد بین المسلمین:

محمد علی جناح کی ولولہ انگیز قیادت میں پاکستان کٹھن جدوجہد کے بعد معرض وجود میں آیا۔قائد اعظم نے پاکستان کو عالم اسلام کی فیکٹری قرار دیا۔جہاں مسلم قومیت کے جذبے کو ملت اسلامیہ میں پھیلانا تھا۔یہ بات سامراجی قوتوں کو کیسے ہضم ہو سکتی تھی۔سازشوں کے جال بچھائے جانے لگے۔علماء کے درمیان اختلاف کو بڑھا کر فرقہ واریت کو ہوا دی جانے لگی۔لیکن ۱۹۵۱ء میں علماء اسلام پاکستان نے ۲۲ نکات پر اتفاق کر کے اس سازش کو ناکام بنا دیا۔اور اس کے بعد قوم بنگالی اور غیر بنگالی کی سازش ہوئی جس میں مخالف کو کامیابی ہوئی اور ملک دو ٹکڑوں میں تقسیم ہو گیا۔یہ سب کچھ اس لئے کیا جا رہا تھا کہ عملی طور پر پاکستان کو اسلامی نظریاتی ملک نہ بننے دیا جائے۔نئے پاکستان میں اسلام کا جذبہ پھر بھی ماند نہ پڑا۔اس لئے کہ ان کے درمیان مولانا شاہ احمد نورانی جیسی شخصیت موجود تھی۔مولانا کی قیادت میں علماء نے طویل جدوجہد کر کے ۱۹۷۳ء کے آئین میں اسلام کے نفاذ کے لئے مضبوط بنیاد فراہم کر دی۔۱۹۷۷ء میں تحریک نفاذ مصطفیٰ میں پشاور تا کراچی عوام کا صرف ایک ہی مطالبہ تھا کہ ملک میں نظام مصطفیٰ کا نفاذ ہو۔لیکن لارڈ میکالے کی نظام تعلیم سے تربیت یافتہ بعض فوجی اور سول حکمران رکاوٹ بنے۔سیاسی ڈیڈ لاک آیا اور امریکہ کی شہ رگ پر اسلامائزیشن رک گئی اور مارشل لاء آ گیا۔چند مہم جوؤں نے اپنے اقتدار کو طول دینے کے لئے لسانیت کو ہوا دی۔اور لسانیت پرستوں کی پشت پناہی کی۔جے ایم سیّد کے ذریعے سندھ کو منظم کیا گیا۔کراچی میں مہاجر قومیت کو ابھارا

گیا۔پنجاب میں "اساں تیدی تخت لاہور دے" کے نعرے لگے۔سرحد میں پختونستان اور بلوچستان میں پختون بلوچ قومیت کو لسانیت کے نام پر ابھارا گیا۔محبت بھرا ماحول نفرتوں کی آماجگاہ بننے لگا۔اس دوران مولانا شاہ احمد نورانی اور ان کے ہم خیال علماء پورے ملک میں اپنے خطبات کے ذریعے اس آگ کو بجھانے کی کوششوں میں مصروف عمل رہے۔اور مسلمانوں کو ایک پلیٹ فارم پر جمع کرنے کی کوشش کرتے رہے۔جس کی پاداش میں مولانا شاہ احمد نورانی پر قاتلانہ حملے بھی ہوئے۔جونہی ۱۹۸۸ء کا انتخاب آیا سیاسی ومذہبی اتحاد ہونا شروع ہو گئے نفرتوں کی جگہ نظریات نے لینا شروع کر دی۔منظر نامہ تبدیل ہو چکا تھا۔افغانستان میں روس کو شکست ہو چکی تھی۔انقلاب ایران کے بعد پاکستان، ایران اور افغانستان امکانی طور پر ایک مسلم بلاک بن سکتے تھے۔امریکہ نے خطرہ کو بھانپتے ہوئے نیو ورلڈ آرڈر تشکیل دے کر مسلم ممالک پر پہرے بٹھا دیے۔مسلمانوں کے لئے انتہا پسند اور بنیاد پرست کے الفاظ ایجاد کئے گئے۔سپاہ صحابہ اور سپاہ محمد کے نام سے شیعہ، دیوبندی مسلمانوں کو آپس میں لڑایا گیا۔بیرونی سرمایہ کی طاقت سے مسلح گروپ بنائے جا چکے تھے۔عبادت گاہیں مقتل گاہوں میں ،دانش کدے اسلحوں کا گڑھ بننے لگے۔مسلمان دوسرے مسلمانوں کا خون بہانے لگے۔یہ سب اس لئے کیا جا رہا تھا تاکہ ایران ،پاکستان اور افغانستان تینوں جگہ فرقہ وارانہ نفرتیں بڑھیں اور یہ تینوں ممالک آپس میں نفرتوں کی آماجگاہ بن جائیں اور امن وسکون برباد ہو اور اتحاد کی امکانی قوتوں کی بھی راہیں مسدود ہو جائیں۔معاملہ شدت اختیار کرتا گیا حتیٰ کہ مغربی میڈیا ان واقعات کی ویڈیو بنا کر دنیا کو دکھاتا۔اور یہ باور کرانے کی کوشش کی جاتی کہ اسلام دہشت گردی کا مذہب ہے۔ایسے حالات میں اسلام کے بڑے بڑے دعویدار خاموش تماشائی بنے کھڑے تھے۔سیکولر جماعتیں مذہبی طبقوں کو رسوا کرنے پر تلی ہوئی تھیں۔ایسے میں مولانا شاہ احمد نورانی کے بیدار مغز ذہن نے اسلام کے تحفظ اور پاکستان کی سلامتی کے لئے پھر ایک قدم آگے بڑھایا اور ۲۳ مارچ ۱۹۹۵ء کو مذہبی جماعتوں کا ایک اجلاس منعقد ہوا۔جس میں جمعیت علماء اسلام (ف) کے علاوہ تمام مذہبی جماعتوں کے رہنما شریک ہوئے۔یہ اجلاس نہایت ہنگامہ خیز تھا۔اکثر حضرات اپنی اپنی بالادستی چاہتے تھے۔اس کاروان کی قیادت کا سنگین مسئلہ سامنے آ گیا۔غور وفکر کے بعد اس

نتیجے پر پہنچے کہ صرف مولانا شاہ احمد نورانی کی شخصیت ہی اتنی قد آور ہے کہ جن کی نظر نہ صرف پورے عالم اسلام پر ہے بلکہ وہ ملک کے اندرونی وبیرونی مسائل کو بخوبی سمجھتے ہیں۔ نیز حکمرانوں کی اسلام کے خلاف ریشہ دوانیوں اور عالم اسلام کے خلاف ہونے والی سازشوں پر گہری نظر رکھتے ہیں۔ اس طرح اتفاق رائے سے انہیں صدر اور مولانا سمیع الحق کو جنرل سیکریٹری منتخب کیا گیا۔اور ملی یکجہتی کونسل کے نام سے ایک تنظیم وجود میں آئی۔جس نے استعمار کے ناپاک عزائم سے لوگوں کو آگاہ کیا۔فرقوں کی لڑائی کو ہر ممکن روکنے کی کوشش کی حکمرانوں کی مجرمانہ غفلتوں سے پردہ اٹھایااور سب سے بڑھ کر یہ کہ تمام مذہبی قیادتوں نے مولانا شاہ احمد نورانی کی قیادت میں باجماعت نماز ادا کرکے استعماری قوتوں اور ان کی شہ رگ پر مذہب کا مذاق اڑانے والی لبرل قوتوں کے منہ پر کالک مل دی۔ اور اتحاد بین المسلمین کا واضح ثبوت دنیا کے سامنے پیش کیا۔اس کے بعد قومی ملی یکجہتی کونسل نے ایک اعلامیہ بھی جاری کیا۔جس کے الفاظ پاکستان کی تاریخ میں سنہری حرفوں سے لکھے جانے کے قابل ہیں۔

مولانا شاہ احمد نورانی کی قیادت میں علماء نے بغیر حکومتی طاقت کے ملک میں پیدا شدہ امن وامان کے مسئلہ کا حل پیش کیا۔دہشت گردوں سے برات کا اعلان نعرا بازی پر پابندی،اشتعال انگیز لٹریچر پر قدغن کے اصول وضع کئے۔حتیٰ کہ مدارس کے نام پر بیرونی امداد کو بھی وزارت مذہبی امور کے ذریعے طے کرنے کی سفارش کی یہ ایسا سنہری ضابطہ اخلاق ہے کہ جس پر آج بھی عمل کرکے ملک کو تھوڑے ہی دنوں میں امن وامان کا گہوارہ بنایا جاسکتاہے۔(۱۲)

میدانِ سیاست میں:

مولانا شاہ احمد نورانی نے ملکی سیاست کی ابتدا جمعیت علماء پاکستان کے پلیٹ فارم سے کی۔اوردم واپسی اسی پلیٹ فارم سے سیاست کرتے رہے۔۱۹۵۳ء میں جمعیت کراچی شاخ کے عہدیدار رہے پھر ترقی کرتے ہوئے سندھ کے نائب صدر بنے۔۱۹۵۸ء کے ون یونٹ کے قیام کے بعد آپ کو مغربی پاکستان کا سینئر نائب صدر بنایا گیا۔اور پھر ۱۹۷۰ء میں مرکزی سینئر نائب صدر بنائے گئے۔انتخاب کے بعد آپ کو پارلیمانی پارٹی کا سربراہ مقرر کیا گیا۔اور پھر

جب ۱۹۷۳ء میں صدر جمعیت خواجہ قمرالدین سیالوی نے علالت کی وجہ سے استعفیٰ دیا تو آپ کو خانیوال کنونشن میں جمعیت کا صدر منتخب کیا گیا۔اس اجلاس میں خواجہ قمرالدین سیالوی نے فرمایا تھا کہ مولانا نورانی ایک عاشق رسول ہیں۔اور سیادت وقیادت کا امامہ ان ہی کے سر بجتا ہے۔یہ وہ وقت تھا جب جمعیت علمائے پاکستان اور مولانا نورانی کے خلاف بھٹو نے استعماری حربے استعمال کرنا شروع کردئے تھے۔اور ایک متوازی جمعیت بنانے کے لئے چند حالع آزما اور حکومت پرست سجادہ نشینوں کو جمع کرکے پروپیگنڈا کرنا شروع کردیا تھا کہ" نورانی کو جمعیت سے خارج کردیا جائے گا"۔اس وقت تمام علمائے اہلسنت نے آپ پر اپنے بھرپور اعتماد کا اظہار کیااور پھر آپ کو جمعیت علمائے پاکستان کا متفقہ صدر منتخب کرلیا گیا۔(۱۳)

آپ نے جمعیت کو مفادات وزارت سے بچا کر رکھنے کی بھرپور کوشش کی اور مقصد اصلی واضح کیا کہ ہماری منزل اقتدارو وزارتیں نہیں بلکہ نظام مصطفےٰ ﷺ کا ملک میں مکمل نفاذ ہے۔آپ اسی مقصد کو سامنے رکھ کر ہمیشہ سیاست کے داؤ پیچ لڑتے رہے۔کبھی اصولوں سے سمجھوتا نہیں کیا۔مصلحت پسندی کی سیاست سے آپ کو سخت نفرت تھی۔اصولوں کے معاملے پر کبھی کسی کی پرواہ نہ کرتے تھے۔لیکن دوسری طرف اہل حق کے لئے انتہائی نرم معاملہ رکھتے تھے۔بلکہ انتہائی عاجزی انکساری کا معاملہ فرماتے۔بالخصوص علمائے حق کے لئے اپنے بازوؤں کو کھلا رکھتے۔

ہو حلقہ یاراں تو بریشم کی طرح نرم
رزم حق و باطل ہو تو فولاد ہے مومن

۱۹۷۰ء میں جب آپ جمعیت کے نائب صدر بنائے گئے تھے تو اس وقت خواجہ قمرالدین سیالوی اور پیر کرم شاہ الازہری جونیئر نائب صدر جبکہ سید محمود احمد رضوی ناظم اعلیٰ تھے۔جس میں یہ فیصلہ ہوا تھا کہ جمعیت اب مکمل طور پر سیاسی جماعت ہوگی اور چھ ماہ بعد ملک میں عام انتخابات میں بھرپور حصہ لے گی۔ اس کانفرنس میں جو کہ جلسہ عام کی شکل تھی میں جمعیت کے ذمہ داران نے خطابات کئے۔اس جلسہ میں سب سے پرمغز تقریر مولانا شاہ احمد نورانی کی تھی۔جس میں آپ نے کہا کہ اے لوگو یہ اصطلاح بدل دو کہ کمیونزم اور سوشلزم ہماری لاشوں پر

آئے گا بلکہ ہم نظام مصطفیٰ کیمونسٹوں کی لاشوں پر تعمیر کریں گے۔اور سوشلزم کا تختہ اپنے عبرتناک انجام سے دوچار ہوگا۔اور ان شاء اللہ نظام مصطفیٰ کا آفتاب اپنی آنکھوں سے طلوع ہوتا دیکھیں گے۔

دسمبر ۱۹۷۰ء کے عام انتخابات میں ملک میں ایک حیرت انگیز تبدیلی رونما ہوئی۔صرف چھ ماہ قبل نمودار ہونے والی جماعت ایک بڑی سیاسی جماعت بن کر منصۂ شہود پر آئی۔جس نے قومی اسمبلی کی سات،پنجاب اسمبلی کی چار،اور سندھ اسمبلی کی چھ نشستیں حاصل کیں۔اس طرح اس جماعت نے حزب اختلاف کا کردار ادا کیا۔اور اسمبلی میں مولانا نے انگریزی میں پرجوش خطاب کیا جو نہ صرف سوشلسٹ جماعت بلکہ اس ذہن کے پریس ٹرسٹ کے لئے بھی حیران کن تھا۔

مولانا نورانی مذاکرات کو سیاست کا حصہ سمجھتے تھے۔اس لئے آپ ۲۸ جنوری ۱۹۷۱ء کو مجیب الرحمٰن سے تبادلہ خیال کے لئے ڈھاکہ گئے اور اس سے ملاقات کرکے اس کے خیالات کے بارے میں ایک ذہنی خاکہ تیار کیا۔وہ اس وقت ملک توڑنا نہیں چاہتا تھااور صدر جنرل یحییٰ خان جان بوجھ کر اسمبلی کے اجلاس میں تاخیر کرکے ملک کو خانہ جنگی میں دھکیلنا چاہتے تھے۔چنانچہ آپ نے تمام سیاستدانوں سے تبادلہ خیال کے بعد یحییٰ خان سے فروری ۱۹۷۱ء میں ملاقات کی۔اور اسے حالات کی سنگینی کا احساس دلایا۔اور اس سے فی الفور اسمبلی کا اجلاس بلانے کا مطالبہ کیا۔

جنرل یحییٰ خان سے آپ کی ملاقات آپ کی سیاسی بصیرت،جرأت وبہادری،بے خوفی اور مذہبی حمیت کی لازوال داستان ہے۔جس کا اقرار یحییٰ خان نے خود چوہدری ظہور الٰہی سے کیا تھاکہ"جب مشرقی پاکستان کے لیڈروں سے مذاکرات کے دوران مغربی پاکستان کے تمام لیڈر خاموش رہتے تھے تو شاہ احمد نورانی وہ واحد شخص تھا جو میری آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر بات کرتا تھا۔"(۱۵)

سیاسی میدان میں آپ کی نظام مصطفیٰ کی آخری کوشش متحدہ مجلس عمل کی صورت میں عمل آئی۔اس وقت آپ عمر کے ۷۶ویں برس میں داخل ہو چکے تھے۔ ملی یکجہتی کونسل جس کی

صدارت آپ ہی کے ہاتھوں میں تھی اب متحدہ مجلس عمل کی صورت اختیار کرچکی تھی۔منشور کا لب لباب اور خلاصہ اسلامی نظام کا نفاذ ہی تھا۔اس پیرانہ سالی میں بھی مولانا نے دینی جماعتوں کے ساتھ مل کر بھرپور کوشش کی اور پورے ملک میں برق رفتار الیکشن مہم چلائی۔جس کی بدولت متحدہ مجلس عمل اسمبلی میں حزب اختلاف کی صورت میں سامنے آئی۔جبکہ آپ نے خود انتخابات میں حصہ نہ لیا۔مجلس عمل کی کامیابی کے بعد ہی وقت کے فوجی حکمران پرویز مشرف کے دیئے گئے عبوری آئین "ایل ایف او" پر بحث شروع ہوگئی۔مجلس عمل اور دیگر اپوزیشن جماعتوں نے ایل،ایف،او مسترد کردیا۔مذاکرات ہوتے رہے لیکن سمجھوتہ نہ کیا گیا۔حتیٰ کہ مجلس عمل اور حکومت کے درمیان کچھ معاہدات طے پاگئے کہ جلد ۱۹۷۳ء کے آئین کو بحال کردیا جائے گا۔معاہدات پر صرف دستخط ہونا باقی تھے کہ ایک بار پھر کچھ نادیدہ قوتوں نے اس کو سبوتاژ کرنے اور ملکی مفاد کو نقصان پہنچانے کی کوشش کی۔اس دوران آپ نے حکومت کو ڈیڈ لائین دی کہ ۱۸ دسمبر تک معاہدہ طے نہ پایا اور بے جاشرائط ختم نہ کیں تو حکومت کے خلاف عوامی ملک گیر تحریک چلائی جائے گی۔جس سے حکومت گھبراہٹ کا شکار ہوگئی۔اس دوران ان مذاکرات کے سلسلے میں آپ اسلام آباد ہی میں قیام پذیر تھے کہ اچانک ۱۱ دسمبر کوآپ حرکت قلب بند ہو جانے کے سبب اس دار فانی سے رحلت فرما گئے۔

مولانا شاہ احمد نورانی اور تحریک ختم نبوت

برصغیر پاک وہند میں برطانوی سامراج نے اپنی طاقت اور سازشوں کے ذریعے ۱۸۵۷ء کی جنگ آزادی تو جیت لی مگر وہ اس حقیقت سے اچھی طرح آگاہ ہو چکا تھا کہ اس کے مظالم مسلمانوں کو تو کچل سکتے ہیں مگر ان کے باطن میں پوشیدہ روح اسلام یعنی "محبت رسول" کو نہیں مٹا سکتے۔اگرچہ یہ ہمیشہ ایسی کوششیں کرتے رہے ہیں مگر جانثاران محمد ﷺ اپنے قول،عمل اور جانی ومالی قربانیوں سے محبت رسول کو بہالے جانے کی کوششیں کرنے والے سیلاب وطوفان کے آگے بند باندھتے رہے اور امت مسلمہ کو اس سے خبردار کرتے رہے۔کبھی ان کے سامنے مولانا کفایت علی،مولانا غلام امام شہید،مولانا فضل حق خیر آبادی،مولانا عنایت اللہ کاکوروی،مفتی صدرالدین آزردہ،مولانا احمد اللہ مدراسی اور جنرل بخت رحمہم اللہ کی صورت

میں تحفظ ناموس رسالت کا جذبہ آڑے آجاتا۔ کہیں علامہ اقبال مسلمانوں کے قوت ایمانی پر حملہ کرنے والی ان کی خاموش اور شاطرانہ چالوں سے امت مسلمہ کو یوں آگاہ کرتے۔

وہ فاقہ کش جو موت سے ڈرتا نہیں ذرا
روح محمد اس کے بدن سے نکال دو

بدقسمتی سے برصغیر کی سرزمین مسلم امہ کے خلاف اس طرح کے حربوں کے لئے استعمال ہوتی رہی ہے۔ان میں سے انگریزوں کا ایک بہت بڑا فتنہ برصغیر میں قادیانیت کی بنیاد رکھنا ہے جو اس نے اپنے ایک قدیم اور وفادار خاندان کے چشم و چراغ مرزا غلام مرتضیٰ کے بیٹے مرزا غلام احمد قادیانی (جو مشرقی پنجاب کے ضلع گورداسپور کی تحصیل بٹالہ کے ایک گاؤں میں پیدا ہوا) کے ہاتھوں رکھی۔مرزا قادیانی عربی اور فارسی کی چند کتب پڑھ کر "نیم ملا خطرہ ایمان" کا عظیم ترین مصداق ثابت ہوا۔"اس نے بتدریج ملہم،محدث،مامور من اللہ،مہدی،مثیل مسیح ابن مریم،نبی،حامل صفات عزوجل اور اس کے علاوہ لاتعداد اور متضاد دعوے کئے۔جو ۱۸۸۳ء سے لیکر ۱۹۰۸ء کے عرصہ تک محیط ہیں۔" (۱۶)

قادیانی خلیفہ مرزا محمود قادیانی نے بذات خود اس بات کا اعتراف کیا ہے کہ وہ اور ان کی جماعت حکومت برطانیہ کے وفادار اور ان کے پٹھو رہے ہیں چنانچہ لکھتا ہے کہ "ہم نے ابتدائی سلسلے سے گورنمنٹ کی وفاداری کی۔ہم ہمیشہ یہ فخر کرتے رہے کہ ہم ملک معظم کے وفادار ہیں۔کئی ٹوکرے خطوط کے ہمارے پاس ایسے ہیں جو میرے نام یا جماعت کے سیکرٹریوں کے نام یا افراد و جماعت کے نام ہیں۔جن میں گورنمنٹ نے ہماری جماعت کی وفاداری کی تعریف کی۔اس طرح ہماری جماعت کے پاس کئی ٹوکرے تمغوں کے ہیں۔ان تمغوں کے جنہوں نے اپنی جانیں گورنمنٹ کے لئے فدا کیں۔یہ اتنے ٹوکرے ہیں کہ ایک افسر کے وزن سے بھی ان کے وزن زیادہ ہیں۔(۱۷)

مرزا محمود نے اپنی زندگی میں یہ اقرار کرنے میں کبھی ہچکچاہٹ نہیں محسوس کی کہ قادیانی جماعت احمدیہ نے ہمیشہ ہر اس سیاسی اور مذہبی تحریک کی مخالفت کی جس نے برصغیر میں مسلمانوں کی آزادی یا حقوق کے لئے کوشش کی۔چنانچہ لکھتا ہے "۱۹۰۵ء کی پہلی منظم

مزاحمت،تقسیم بنگال کے بعد شروع ہونے والی بدامنی،۱۹۱۳ء میں تحریک مسجد کانپور،اور پہلی ۱۹۱۹ء تا ۱۹۲۱ء،دوسری ۱۹۳۰ء،تیسری ۱۹۳۲ء میں عدم تعاون کی کانگریسی تحریکوں،ان سب کا بھرپور مقابلہ کیا گیا۔(۱۸)

انگریز کی وفاداری کے لئے مسلمانوں میں انتشار پھیلانے حتیٰ کہ حصول پاکستان کے لئے بھی ان کی کھڑی کی گئی رکاوٹیں اور مخالفتیں تاریخ کا ایک سیاہ باب ہے۔"جنوری ۱۹۳۵ء میں قادیانی خلیفہ مرزا محمود نے "آل انڈیا نیشنل لیگ" کے نام سے ایک سیاسی جماعت کے قیام کا اعلان کیا۔جس کا مقصد قائد اعظم کی ولولہ انگیز قیادت میں برصغیر کی واحد نمائندہ جماعت "آل انڈیا مسلم لیگ" کی سیاسی حیثیت اور قوت کو نقصان پہنچا کر اسے تقسیم کرنا تھا۔لاہور میں اس جماعت کا مرکزی دفتر قائم کیا گیا اور شیخ بشیر احمد ایڈووکیٹ قادیانی کو اس نوزائیدہ سیاسی جماعت کا پہلا صدر مقرر کیا گیا۔(۱۹)

بدقسمتی سے پاکستان بننے اور بعد کے مراحل میں بھی قادیانیوں کے پاکستان مخالف ہونے کے باوجود انگریزوں کے دباؤ پر ان کو عہدے دینے پر مجبور کیا گیا۔ڈاکٹر صفدر محمود کے مطابق بانی، پاکستان کو برصغیر کے مسلمانوں کی آزادی کی خاطر بعض ناگوار معاہدات اور شرائط پر مجبوراً دستخط کرنا پڑے۔آپ کے پاس وقت کم تھا اور کام زیادہ تھا۔انہوں نے غلامی پر لولے لنگڑے پاکستان کو ترجیح دی۔ان کے نزدیک آزادی کا پروانہ ہی مل جانا محرومیوں کا مداوا تھا۔اس لئے قائد اعظم محمد علی جناح جان چکے تھے کہ ان کی جیب میں کھوٹے سکے ہیں۔بتایا جاتا ہے کہ انگریز وائسرائے نے ظفر اللہ قادیانی کی تقرری پر بہت زیادہ اصرار کیا تھا اور دھمکی دی تھی کہ جب تک یہ اعلان نہیں کیا جاتا اختیارات کی منتقلی نہیں ہو سکے گی......ان ہی مسائل کے سبب قائد اعظم نے چودھری ظفر اللہ قادیانی کے علاوہ جنرل سر ڈگلس گریسی کو پاکستان کی فوج کا کمانڈر انچیف اور سردار جوگندر ناتھ منڈل کو پاکستان کا پہلا وزیر قانون مقرر کیا تھا۔(۲۰) بہر حال حقائق کچھ بھی ہوں لیکن ظفر اللہ قادیانی کی بطور وزیر خارجہ نامزدگی کے حوالے سے قائد اعظم محمد علی جناح جیسی عظیم شخصیت تمام شکوک و شبہ سے بالاتر ہے۔اور اس کا ثبوت آپ کا اخلاص جذبہ خیر خواہی اور مسلمانان برصغیر کے روشن مستقبل کی خاطر بے مثال عملی جدوجہد ہے۔قائد اعظم کی

زندگی میں قادیانیوں کو کھل کر اپنا کھیل کھیلنے کا موقع نہیں ملا حقائق بتاتے ہیں کہ قادیانی وزیر خارجہ ظفر اللہ کے مشکوک اور خطرناک ملک دشمن عزائم سے آگاہ ہو چکے تھے اور اس بات کا اظہار راجہ صاحب محمود سے ۱۹۴۸ء میں کراچی آمد کے موقع پر بھی کیا تھا کہ "میں اس پر کڑی نظر رکھے ہوئے ہوں اور مناسب وقت کا انتظار کر رہا ہوں... شومئی قسمت کہ فرشتہ قضاء نے قائد اعظم کو مہلت نہ دی۔

محمد احمد رازی نے اپنی تحقیق میں ظفر اللہ قادیانی کے کردار اور اس کے دور میں وزارت خارجہ کی کارکردگی کا تحقیقی جائزہ لینے کے بعد جو نتیجہ نکالا اور بے لاگ تبصرہ کیا ہے وہ پڑھنے کے قابل ہے لکھتے ہیں ظفر اللہ قادیانی پاکستان کا پہلا وزیر خارجہ بنا۔اس نے پاکستان جیسی اسلامی ریاست کے بنیادی نقطہ نظر سے ہٹ کر اپنے غیر ملکی آقاؤں کے حکم اور اپنی جماعت کے زاویہ کے مطابق پاکستان کی خارجہ پالیسی بنائی۔چودھری ظفر اللہ قادیانی کے کردار اور اس کے دور میں وزارت خارجہ کی کارکردگی کا جائزہ لینے سے مندرجہ ذیل باتیں سامنے آتی ہیں۔

☆چودھری ظفر اللہ قادیانی اپنے دور وزارت میں پارلیمنٹ آنے سے گریز کرتا تھا اور زیادہ تر وقت پاکستان سے باہر گزارتا تھا۔

☆چودھری ظفر اللہ قادیانی کے دور وزارت میں وزارت خارجہ سے محب وطن افراد کو نکال کر قادیانی افراد کو وسیع پیمانے پر بھرتی کیا گیا تھا۔

☆پاکستان کی خارجہ پالیسی پاکستان کے مفاد اور نقطہ نظر کے بجائے قادیانی جماعت کے مفاد اور تحفظ کو مدنظر رکھ کر بنائی گئی۔

☆غیر ممالک میں وزارت خارجہ کے دفاتر کو قادیانیت کی تبلیغ اور جاسوسی کے اڈوں میں تبدیل کیا گیا۔

☆مسلم عرب ممالک سے رشتہ اخوت مستحکم کرنے کے بجائے انہیں پاکستان سے بدظن کیا گیا اور پاکستان سے دور کرنے کی پالیسی اختیار کرنے کے ساتھ عربوں کی جاسوسی کے لئے مختلف ممالک میں قادیانی سیل قائم کئے گئے۔

☆پاکستان کے ہمسایہ ممالک سے جان بوجھ کر تعلقات کشیدہ کئے گئے۔

☆مسئلہ کشمیر کو جان بوجھ کر خراب کیا گیا تاکہ اس مسئلہ کا کوئی پائیدار حل تلاش نہ کیا جاسکے۔

☆چودھری ظفر اللہ قادیانی پاکستان کے وزارت خارجہ کی حیثیت سے تنخواہ پاکستان کے قومی خزانے سے لیتا تھا لیکن کام وہ اپنی قادیانی جماعت کے لئے کرتا تھا۔(۴۱)

اقتصادی ماہرین کے مطابق پاکستان کے باسیوں کی ناراضگی کا سب سے بڑا سبب تفریق معیشت اور محکمہ مال کی غلط منصوبہ بندیاں تھیں۔مشرقی پاکستان کی معاشی بدحالی اور غلط منصوبہ بندی کا اصل محرک سیکریٹری مالیات مرزا غلام احمد قادیانی کا پوتا ایم۔ایم احمد تھا۔جس نے مالی مشیر سیکریٹری فنانس اور منصوبہ بندی کے ڈپٹی چیئرمین کی حیثیت سے مشرقی پاکستان کی غریب اور مصیبت زدہ عوام کو ان کے جائز حق سے بھی محروم رکھا اور ہر موقع پر ان کو دبانے کی کوشش کی۔اس بے بسی اور مایوسی کی فضا نے مشرقی پاکستان کے رہنے والوں کے لئے پاکستان سے بیزاری اور بغاوت کے دروازے کھول دیئے۔یہ حقیقت ہے کہ مولانا شاہ احمد نورانی وہ واحد سیاستدان تھے جنہوں نے ایم۔ایم احمد کی غلط منصوبہ بندی کی وجہ سے مشرقی پاکستان کی علیحدگی کے خطرے کی نشاندہی سب سے پہلے کی اور حکومت کو متنبہ کی کہ ایم۔ایم احمد کی متعصبانہ پالیسیوں کی وجہ سے ملک ٹوٹ جائے گا۔انہوں نے یہ بھی انکشاف کیا تھا کہ نئی دہلی اور تل ابیب میں پاکستان توڑنے کے لئے ایک خوفناک سازش تیار کی گئی ہے۔اور ایم۔ایم احمد سامراجیوں کی طرف سے پوری سرگرمی سے اس میں ملوث ہیں۔عوامی لیگ کی قیادت اور مغربی پاکستان کے سرکردہ رہنماؤں نے بھی اس کڑے وقت میں مشرقی پاکستان میں ایم۔ایم احمد کی موجودگی پر کڑی تنقید کی اور پاکستان کو تقسیم ہونے سے بچانے کی کوششوں میں رخنہ اندازی کا ذمہ دار ٹھہرایا۔مگر افسوس کہ حکومت نے تمام تر نشاندہی کے باوجود توجہ نہ دی اور ایم۔ایم احمد کو اس کے عہدہ سے برطرف نہیں کیا۔جس کا نتیجہ مشرقی بازو کی علیحدگی کی صورت میں نکلا۔۱۶ دسمبر ۱۹۷۱ء کا دن سقوط ڈھاکہ کا سورج لے کر طلوع ہوا۔پاکستان کا ٹوٹ جانا مسلم امہ کے لئے ایک المناک سانحہ سے کم نہیں تھا۔اپنی قوم سے بچھڑنے کے غم میں پوری قوم غم سے نڈھال تھی۔عوام مشرقی پاکستان میں باعث شکست بننے والے عوامل کی تحقیقات کا مطالبہ کر رہے تھے۔پورے

مغربی پاکستان میں جنرل یحییٰ خان، ایم ایم احمد اور اس سازش میں ملوث سول وفوجی مشیروں کے خلاف مقدمہ چلانے کے لئے بڑے بڑے جلوس نکالے جارہے تھے۔لیکن ادھر قادیانی اخبار "الفضل" سقوط ڈھاکہ کو ایک عارضی شکست قرار دیتے ہوئے کہہ رہا تھا کہ "پاکستان میں جو اہم سیاسی تبدیلیاں وقوع پذیر ہوئی ہیں وہ اندھیرے میں روشنی کی کرن کی طرح ہیں" (۳۲)

پاکستان بننے سے لے کر پاکستان ٹوٹنے تک اہل حق قادیانیوں کی نقب زنی میں لگے رہے۔عوام کو ان کی سازشوں سے باخبر اور حکومتِ وقت کو ان کے خلاف اقدامات کرنے پر ابھارتے رہے ہیں۔چنانچہ ۱۹۵۲ء میں مختلف مسالک کے علماء نے وزیر خارجہ ظفر اللہ قادیانی کا حکومت کو بلیک میل کرکے شہر کراچی میں قادیانیوں کا جلسہ کرنے اور دوران تقریر اسلام اور مسلمانوں کے خلاف ہرزہ سرائی کے ردعمل میں ۲جون کو تھیو سوفیکل ہال کراچی میں "آل پارٹیز مسلم پارٹیز کانفرنس منعقد کرائی جس کی صدارت علامہ سید سلمان ندوی نے کی اور گیارہ رکنی بورڈ تشکیل دے کر ایک تحریک کا آغاز کیا گیا ان گیارہ اراکین میں مختلف مکاتب فکر کے جید علماء کے علاوہ اہل سنت وجماعت کے علامہ عبدالحامد بدایونی ،صاحبداد خان اور علامہ شاہ احمد نورانی (جن کی عمر اس وقت ۲۶ سال تھی) شامل تھے۔اس تحریک کے لئے پہلی بار حکومت سے مطالبہ کیا گیا کہ

۱۔حکومت احمدیوں (قادیانیوں) کو غیر مسلم قرار دے۔

۲۔چودھری ظفر اللہ خان کو وزیر خارجہ کے عہدے سے برطرف کرے۔

۳۔احمدیوں (قادیانیوں) کو تمام کلیدی آسامیوں سے برطرف کیا جائے۔

مولانا شاہ احمد نورانی نے علماء بورڈ کے بنیادی رکن کی حیثیت سے "۱۳ جولائی ۱۹۵۲ کو کراچی میں جناب الحاج محمد ہاشم گزدر کے گھر پر منعقدہ اجلاس میں شرکت کرکے اس تحریک کے نتیجے میں ان گیارہ اراکین کی دعوت پر اسی سال ۱۳ جولائی کو ایک ہنگامی اجلاس میں ہزاروں علماء کرام نے لاہور کے برکت علی محمڈن ہال میں جمع ہوکر "مجلس عمل تحفظ ختم نبوت" کی بنیاد رکھی۔جس کا صدر مولانا ابوالحسنات سید محمد احمد قادری (خلیفہ مجاز مولانا احمد رضا خان فاضل بریلوی) کو منتخب کیا گیا۔اور ہر مکتبہ فکر کے جید علماء کرام کو عہدیداران میں شامل کیا گیا۔اور

حکومت وقت سے دوبارہ اس مطالبہ کا اعادہ کیا گیا اور اس کے ساتھ اس مشن کو عزم مصمم کے ساتھ آگے بڑھانے کا عہد کیا گیا۔(۳۲)

مولانا شاہ احمد نورانی نے علماء بورڈ کے بنیادی رکن کی حیثیت سے "۱۳ جولائی ۱۹۵۲ کو کراچی میں جناب الحاج محمد ہاشم گزدر کے گھر پر منعقدہ اجلاس میں شرکت کرکے "آل پاکستان پارٹیز کنونشن" کے انعقاد کے پروگرام کو حتمی شکل دینے میں دیگر علماء کرام کی معاونت فرمائی۔اس اجلاس میں پاکستان کی چودہ مذہبی جماعتوں جمعیت علمائے پاکستان،جمعیت اہل سنت،حزب اللہ (مشرقی پاکستان)،تنظیم اہلسنت والجماعت،جمعیت علماء اسلام،مجلس تحفظ ختم نبوت،مجلس احرار الاسلام،جمعیت اہل حدیث،جماعت اسلامی،جمعیت الفلاح،موتمر اہلحدیث پنجاب،سفینۃ المسلمین، جمعیت العربیہ،ادارہ تحفظ حقوق شیعہ کو دعوت نامہ جاری کرنے کا فیصلہ بھی کیا گیا۔(۳۳)

مولانا شاہ احمد نورانی اس زمانے میں علامہ حامد بدایونی کے نائب کے فرائض انجام دینے کے ساتھ ساتھ جمعیت علمائے پاکستان سندھ کے سیکریٹری نشرواشاعت بھی تھے۔۱۹۵۳ء کی تحریک ختم نبوت میں مولانا شاہ احمد نورانی علماء بورڈ کے ممبر ہونے کے علاوہ مجلس عمل تحفظ ختم نبوت سندھ کے جنرل سیکریٹری بھی تھے۔آپ فرماتے ہیں "مولانا ابوالحسنات سید محمد احمد قادری،مولانا عبدالحامد بدایونی،مولانا سید محمد داؤد غزنوی،سید عطاء اللہ شاہ بخاری، کفایت حسین، سید مظفر حسین شمسی اور تمام مکاتب فکر کے دیگر علماء کرام اس میں شامل تھے۔یہ فقیر بھی سندھ کی مجلس عمل کا جنرل سیکریٹری تھا۔بالآخر اس تحریک کا مرکز مسجد وزیر خان اندرون دروازہ لاہور بنی۔جہاں ابوالحسنات سید محمد احمد قادری خطیب تھے۔اور کراچی میں جامع مسجد آرام باغ جہاں کے خطیب تاج العلماء مفتی عمر نعیمی تھے تحریک ختم نبوت کے جانثاروں اور جانبازوں کا مرکز بنی ہوئی تھی۔لاہور میں پہلا مارشل لاء لگا۔سینکڑوں عاشقان مصطفیٰ نے سینے پر گولیاں کھائیں اور جام شہادت نوش کیا۔بیسیوں علماء کو سلاسل پابند کیا گیا۔تین علماء کو سزائے موت کا حکم سنایا گیا۔جس میں اہلسنت کے دو مقتدر سید خلیل احمد قادری اور مجاہد ختم نبوت علامہ عبدالستار خان نیازی تھے۔الحمدللہ! نہ کسی نے معافی نامے داخل کئے اور نہ کسی نے جان بخشی کی اپیل کی۔سب

نے عزیمت و استقامت کا مظاہرہ کیا۔اور پرچم نبوت و ناموس مصطفیٰ کو زندہ رکھا۔" (۲۴)

اگر چہ تحریک ختم نبوت ۱۹۵۳ء انتہائی قربانیوں کے باوجود اپنوں کی بیگانگی اور کہیں ذاتی اغراض کی تکمیل اور حکومت کی نہ صرف عدم توجہی بلکہ مخالفت کی وجہ سے ناکامی کی اوٹ میں چلی گئی لیکن اپنے مشن کی تکمیل کو پورا کرنے والوں کے دلوں میں جذبہ حب الوطنی ،اور اسلام پر اپنی جان نچھاور کرنے والوں کو آرام سے نہ بیٹھنے دیتی تھی۔ جناب شاکر حسین ریسرچ اسکالر ،علوم اسلامی، جامعہ کراچی اپنے تحقیقی مقالے میں لکھتے ہیں "قیام پاکستان کے بعد علماء مشائخ نے ۱۹۵۳ء میں قادیانیوں کے خلاف تحریک چلائی۔لیکن وہ کامیاب نہ ہو سکی۔اس کے باوجود علمائے حق نئی حکمت عملی سے اپنی ذمہ داریاں احسن طریقے سے سرانجام دیتے رہے۔اور ہر محاذ پر قادیانوں کے سامنے سینہ سپر رہے۔وہ علماء جنہوں نے حق کی آواز کو تحریک ختم نبوت ۱۹۵۳ء کی ناکامی کے بعد دوبارہ بلند کیا۔ان میں روشن و تابندہ نام مولانا شاہ احمد نورانی صدیقی کا ہے۔جنہوں نے عقیدہ ختم نبوت کے تحفظ کے لئے بھر پور طریقے سے عملی جدوجہد جاری رکھی۔قادیانیوں کے خلاف تحریک چلائی اور ان کی ہر موڑ پر مخالفت کرتے رہے۔مولانا کو قادیانیوں کی مخالفت کرنا ورثہ میں ملی تھی۔ان کے والد مولانا شاہ عبدالعلیم صدیقی قادیانیوں کے اہم مخالفین میں سے تھے۔انہوں (مولانا نورانی) نے افریقہ، یورپ، سیلون، انڈونیشیا، برما اور عرب ریاستوں میں قادیانیت کے خلاف مہم چلائی اور ان کے رد میں انگریزی زبان میں کتاب لکھی۔جس کا نام "The Mirror" ہے۔اس کتاب کا عربی زبان میں ترجمہ "المرآۃ" کے نام سے ہوا۔ اس کتاب کے علاوہ انہوں نے ایک کتاب اردو میں بھی تحریر کی۔جس کا نام مرزائی حقیقت کا اظہار ہے۔اس کتاب کا ملائشیاء کی زبان میں ترجمہ ہوا تو وہاں قادیانیوں کے خلاف زبردست تحریک چلی۔جس کے بعد ملائشیاء میں ان کا داخلہ ممنوع قرار دے دیا گیا۔چنانچہ مولانا نورانی نے اپنے والد کے نقش قدم پر چلتے ہوئے قادیانیوں کی مخالفت کی۔اور ہمیشہ ان کے آگے آہنی چٹان کی مانند کھڑے رہے۔" (۲۵)

مولانا شاہ احمد نورانی اور آپ جیسے ہم خیال لوگ اپنے مشن پر مسلسل کام کرتے رہے آپ نے مشرقی پاکستان کے بدترین حالات اور قادیانیوں کے ملک دشمن عزائم سے لوگوں کو

آگاہ کرنے کے لئے ۱۹ مارچ ۱۹۷۱ء کو آرام باغ کراچی میں ایک بڑے جلسہ عام سے خطاب کیا جس میں آپ نے کہاکہ "انگریز استعمار کی پیداوار مرزا غلام احمد قادیانی کے پیروکاروں نے پاکستان کے وجود کو ٹکڑے ٹکڑے کرنے کا تہیہ کرلیا ہے ۔ اور میں پوری ذمہ داری سے یہ اعلان کر رہا ہوں کہ قادیانیوں نے پاکستان کو ٹکڑے ٹکڑے کرنے کا جو پروگرام ترتیب دیا ہے۔اس کا پہلا مرحلہ مشرقی پاکستان کی علیحدگی ہے برسر اقتدار ٹولہ اور مغربی پاکستان کی اکثریتی جماعت ان کی آلہ کار بن گئی ہے۔اور اب مشرقی پاکستان کی علیحدگی کا آخری راؤنڈ شروع ہونے والا ہے۔مشرقی پاکستان میں فوجی کاروائی شروع کی جائے گی اور بھارت مداخلت کرے گا۔اس سلسلے میں ایم۔ایم احمد اور سورن سنگھ کے درمیان حال ہی میں نیویارک میں ملاقات ہوئی ہے۔ ایم ۔ایم احمد نے گزشتہ ہفتہ کراچی میں باتھ آئی لینڈ کے ایک بنگلے میں ملک کی بعض اہم شخصیات سے ملاقات کرکے انہیں اس بات پر قائل کیا ہے کہ مشرقی پاکستان مغربی پاکستان پر ایک بوجھ ہے اور اس کا آمدنی میں حصہ محض نو فیصد ہے۔قادیانیوں کا اس ضمن میں بھارت اور اسرائیل سے رابطہ ہے۔(۲۶)

۲۵ مارچ ۱۹۷۱ کے بعد ملک میں موجود سیاسی گھٹن کے باوجود مولانا شاہ احمد نورانی ارباب حل وعقد تک قادیانیوں کے بارے میں قوم کا موقف پیش کرتے رہے ۔۷ اپریل ۱۹۷۱ کو آپ نے جنرل یحییٰ خان کے نام ایک کھلا خط لکھا جس میں مشرقی پاکستان میں کی جانے والی ناعاقبت اندیشی کا ذکر کرتے ہوئے۔قادیانیوں اور خصوصاً ایم ۔ایم احمد کی وطن دشمن سرگرمیوں کا بھی تذکرہ کیا گیا تھا۔اکتوبر ۱۹۷۱ء میں مولانا شاہ احمد نورانی نے ملک کے مسائل کے حل کے لئے ایک پانچ نکاتی فارمولا پیش کیا۔جس کو ملک گیر پزیرائی حاصل ہوئی۔اس پانچ نکاتی فارمولے کو اس وقت کے حالات کے تناظر میں بہترین حل قرار دیا جاسکتا ہے۔" آپ کے ان پانچ نکاتی فارمولے میں قادیانی مسئلہ بھی سرفہرست تھا۔مولانا نے اس مسئلہ کو کبھی بھی پاکستان کی سالمیت سے الگ تصور نہیں کیا۔ بلکہ ہمیشہ اس مسئلہ کا حل پاکستان کے استحکام سالمیت و اساس کے لئے لازمی سمجھا۔آپ کے پیش کردہ وہ پانچ نکات مندرجہ ذیل ہیں۔

☆ اقتدار عوام کے منتخب کردہ نمائندوں کے حوالے کیا جائے۔

☆مشرقی پاکستان کے سیاسی مسئلہ کا سیاسی حل پیش کیا جائے۔

☆ قادیانیوں کو غیر مسلم اقلیت قرار دیا جائے۔

☆ قادیانیوں کو کلیدی عہدوں سے ہٹایا جائے۔

☆ ۱۹۵۶ء کے دستوری مسودے دستور کی بنیاد کے طور پر اختیار کیا جائے۔(۲۷)

مولانا شاہ احمد نورانی صدیقی جو کہ نوجوانی میں تحریک ختم نبوت ۱۹۵۳ء میں جید اکابر علماء اہلسنت کے ساتھ مرکزی کردار ادا کر چکے تھے تحریک کی ناکامی کے اسباب وعوامل سے پوری طرح واقف تھے۔جوں ہی آپ کو پاکستان کی قومی اسمبلی میں آنے کا موقع ملا آپ نے تحفظ ختم نبوت اور عظمت مصطفےٰ ﷺ کو مملکت کا قانون بنانے اور اس کو آئینی تحفظ دینے کے لئے کام شروع کردیا اور اس سفر کی کامیاب ابتدا آئین میں مسلمان کی تعریف کی شمولیت ،ریاست کا سرکاری مذہب اسلام ،دیگر اسلامی دفعات کو آئینی تحفظ دینے کے علاوہ عائلی قوانین کی تنسیخ ،تینوں مسلح افواج کے سربراہوں کے لئے مسلمان ہونے کی شرط ،فتنہ ارتداد کو روکنے کی ضمانت حاصل کرنے اور پاکستان کے دستور کو دو قومی نظریئے سے ہم آہنگ کرنے کی کوشش سے ہوچکی تھی اور آپ اپنے اہداف پر نظر رکھے ہوئے مرحلہ وار منزل کی جانب رواں دواں تھے۔

کو کہ آپ سے پہلے مختلف مکاتب فکر کے کئی علماء کرام پاکستان کی قومی اسمبلی کے ممبر رہ چکے تھے۔لیکن انہوں نے کبھی بھی فتنہ مرزائیت کے خلاف اسمبلی کے اندر ایک لفظ بھی نہیں بولا۔یہ بات پاکستان کی تاریخ کے سیاسی ریکارڈ پر موجود ہے کہ پاکستان میں پہلی قومی اسمبلی کے ممبر دارالعلوم دیوبند کے سابقہ شیخ التفسیر علامہ شبیر احمد عثمانی نے اسمبلی میں ایک لفظ بھی قادیانیت کے خلاف نہیں بولا اور نہ ہی قومی اسمبلی میں قادیانیوں کو غیر مسلم اقلیت قرار دینے کی کوئی قرار داد پیش کی ،اسی طرح ۱۹۶۲ء میں صدر ایوب خان کے کرائے گئے انتخابات میں جمعیت علماء اسلام کے مولانا مفتی محمود قومی اسمبلی اور مولانا غلام غوث ہزاروی صوبائی اسمبلی کے رکن منتخب ہوئے۔جمعیت علماء اسلام کے یہ دونوں حضرات پانچ سال تک قومی اسمبلی کے ممبر رہے۔قومی اسمبلی کا ریکارڈ آج بھی اس بات کا گواہ ہے کہ ان دونوں حضرات نے پانچ سال کے دوران اسمبلی فلور پر تحفظ ختم نبوت کے حوالے سے کوئی احتجاج ریکارڈ نہیں کرایا(جبکہ یہ

حضرات تحفظ ختم نبوت کی گزشتہ تحریک میں کسی نہ کسی حوالے سے شریک رہے ہیں) اس کے برعکس علامہ شاہ احمد نورانی نے پاکستان کی قومی اسمبلی میں اپنے پہلے ہی خطاب میں آئین میں مسلمان کی تعریف شامل کرنے کا مطالبہ کیا اور یہ کہہ کر کہ''جو لوگ حضور اکرم ﷺ کو آخری نبی نہیں مانتے ہم ان کو مسلمان ہی نہیں سمجھتے'' قادیانیوں کو کافر اور غیر مسلم اقلیت قرار دینے کی تحریک کا آغاز کر چکے تھے۔(۲۸)

صدر مملکت و وزیر اعظم پاکستان کے مسلمان ہونے اور مسلمان کی تعریف پر مشتمل حلف کے آئین میں شامل ہونے سے مرزائیوں اور ان کے خلیفہ مرزا ناصر کو سیخ پا کر دیا اور اسے مستقبل کے بارے میں تشویش لاحق ہوگئی تھی۔انہیں یقین ہوگیا تھا کہ دستور میں مسلمان کی تعریف شامل ہو جانے کے بعد وہ قانونی طور پر غیر مسلم اقلیت قرار پاچکے ہیں اور اب دیر یا سویر ان کے غیر مسلم اقلیت ہونے کا صرف اعلان ہونا باقی ہے۔آزاد کشمیر اسمبلی میں قادیانیوں کے خلاف قرار داد کی منظوری نے ان کے تمام خدشات کو یقین میں بدل دیا تھا۔اور انہیں محسوس ہونے لگا تھا کہ عنقریب اب پاکستان کی قومی اسمبلی میں موجود علماء ان کے مستقبل کے بارے میں قرارداد پیش کرکے ان کے لئے رہے سہے باقی تمام راستے بھی بند کر سکتے ہیں ۔اس صورت حال نے قادیانی جماعت کے سربراہ مرزا ناصر کو مشتعل کر دیا اور اس نے ایک کتابچہ شائع کیا جس میں کشمیری مسلمانوں کے ساتھ ساتھ پاکستانی مسلمانوں کو بھی گیدڑ بھبکیوں سے ڈرانے کی کوشش کی ۔اس کتابچہ میں اس نے مسلمانوں کو گیدڑ سے تشبیہ دی جو لومڑی کی کھال پہن کر اپنی کھو سے باہر نکل آئے ہیں۔مرزا ناصر نے اپنی قادیانی جماعت کو ایک شیر کی مانند قرار دیا جو ان سب کو کھا جائے گا۔

علامہ شاہ احمد نورانی نے قادیانیوں کو کافر اور غیر مسلم اقلیت قرار دینے کی پوری پیش بندی کر لی تھی۔اور آنے والے وقت میں قادیانیت کے تابوت میں آخری کیل ٹھوکنے کی پوری تیاری کر چکے تھے۔اس مقصد کے لئے آپ نے حکومتی اور عوامی سطح پر رائے عامہ ہموار و منظم کرنے کا کام شروع کردیا اور مناسب وقت کا انتظار کرنے لگے۔(۲۹)

مولانا شاہ احمد نورانی فرماتے ہیں ہم نے علماء دیوبند سے درخواست کی کہ وہ